للعالم الفاضل والولي الكامل قطب
دائرة الإرشاد غوث الثقلين حضرة مولانا
ضياء الدين الشيخ خالد البغدادي
المتوفى سنة ١٢٤٢ هـ. [١٨٢٦ م.]

الإعداد:
الشيخ حسين حلمي ايشق بن سعيد الإستنبولي

قد اعتنى بطبعه طبعة جديدة بالأوفست
مكتبة الحقيقة

HAKİKAT KİTÂBEVİ
Darüşşefeka Cad. No: 53 P.K.: 35
34083 Fâtih-İSTANBUL
Tel: 0212 523 45 56 Fax: 0212 523 36 93
http://www.hakikatkitabevi.com
e-mail: info@hakikatkitabevi.com
MAYIS 2014

ہر کسی کیلئے لازم

ایمان

للعالم الفاضل والوليّ الكامل قطب
دائرة الإرشاد غوث الثقلين حضرة مولانا
ضياء الدين الشيخ خالد البغدادي
المتوفى سنة ١٢٤٢ هـ. [١٨٢٦ م.]

الإعداد:

حسين حلمي ايشق بن سعيد الإستنطبولي

قد اعتنى بطبعه طبعة جديدة بالأوفست
مكتبة الحقيقة

يطلب من مكتبة الحقيقة بشارع دار الشفقة بفاتح ٥٣ استانبول–تركيا

هجري قمري	**هجري شمسي**	**ميلادي**
١٤٣٥	**١٣٩٢**	**٢٠١٤**

قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم (**خيركم من تعلّم القرآن وعلّمه**) وقال ايضا (**خذوا العلم من افواه الرجال**)

ومن لم تتيسّر له صحبة الصالحين وجب له ان يذكّر كتبا من تأليفات عالم صالح وصاحب إخلاص مثل الإمام الرباني المجدد للألف الثاني الحنفي والسيد عبد الحكيم الارواسي الشافعي واحمد التيجاني المالكي ويتعلم الدين من هذه الكتب ويسعى نشر كتب أهل السنة بين الناس ومن لم يكن صاحب العلم أو العمل أو الإخلاص ويدعي أنه من العلماء الحق وهو من الكاذبين من علماء السوء واعلم انّ علماء أهل السنة هم المحافظون الدين الإسلامي وأمّا علماء السوء هم جنود الشياطين[1]

---

(١) لاخير في تعلّم علم مالم يكن بقصد العمل به مع الإخلاص (الحديقة الندية ج: ١. ص: ٣٦٦، ٣٦٧، والمكتوب ٣٦، ٤٠، ٥٩، من المجلّد الأوّل من المكتوبات للإمام الرّبّاني المجدّد للألف الثاني قدّس سرّه)

تنبيه: إنّ كلاّ من دعاة المسيحية يسعون إلى نشر المسيحية والصهاينة اليهود يسعون إلى نشر الادعاءات الباطلة لحاخاماتها وكهنتها ودار النشر - **الحقيقة** - في استانبول يسعى إلى نشر الدين الاسلامي وإعلائه اما الماسونيون ففي سعي لإمحاء وازالة الاديان جميعا فاللبيب المنصف المتصف بالعلم والادراك يعي ويفهم الحقيقة ويسعى لتحقيق ما هو حق من بين هذه الحقائق ويكون سببا في إنالة الناس كافة السعادة الابدية وما من خدمة اجلّ من هذه الخدمة اسديت إلى البشريّة

Baskı: İhlâs Gazetecilik A.Ş.
Merkez Mah. 29 Ekim Cad. İhlâs Plaza No: 11 A/41
34197 Yenibosna-İSTANBUL Tel: 0.212.454 30 00

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیمِ۔ اس تنزیہی کلمہ کو دن رات میں سو بار پڑھنے والے کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ گناہ کے دوبارہ ارتکاب سے اسے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ یہ دعا (مکتوبات) کے ۳۰۷ اور ۳۰۸ ویں مکتوبات میں درج ہے۔ سب درد و تکالیف کے رفع کا سبب بنتا ہے۔

۔ ا۔

ہر کسی کیلئے لازم ایمان

[ایمان اور اسلام]

پیش لفظ

بِسْمِ اللہ سے کرتا ہوں شروع کتاب * پناہ ہے کیا خوب یہ نام ربّ کریم!

اُس کی نعمتوں کا نہ حد ہے نہ حساب * عفو کو کرتا ہے پسند، وہ ربّ رحیم !

اللہ تعالیٰ دنیا کے سب انسانوں پر رحم کرتا ہے۔ اُن کی ضروریات کی اشیاء تخلیق فرما کر سب کو بھیجتا ہے۔ اُنہیں ابدی سعادت کے حصول کا راستہ دکھاتا ہے۔ اُن لوگوں کو جو اپنے نفس، بُرے دوستوں، نقصان دہ کتابوں اور یورپی ریڈیو وغیرہ سے دھوکہ کھاکر اس طریقِ سعادت کے بھٹک گئے، جو کفر اور ضلالت کے رستے پر چل نکلے، پھر پشیمان ہو کر عفو کے طالب ہوئے اُنہیں ہدایت سے نوازتا ہے۔ اُنہیں ابدی فلاکت سے نجات دیتا ہے۔ بے رحموں اور ظالموں کو یہ نعمت احسان نہیں فرماتا۔ اُنہیں کفر کے اُس رستے پر ہی چھوڑ دیتا ہے جس کو اُنہوں نے پسند کیااور جس کی طلب رکھی۔ آخرت میں جن مومنین کا جہنم جانا قطعی ہو گا، اُن میں سے وہ جسے چاہے گا، احسان فرما کر معاف کردے گا اور جنت نصیب فرما دے گا۔ صرف وہی ہے جو ہر جاندار کا خالق،

ہر ہستی کی موجودگی کو ہر آن قائم رکھنے والا، سب کو ڈر اور خوف سے نجات دینے والا ہے۔ اُسی اللہ کے مبارک نام کی پناہ لیتے ہوئے، یعنی اُس سے مدد کی امید رکھتے ہوئے ہم یہ کتاب لکھنا شروع کررہے ہیں۔ حمد ہو اللہ تعالیٰ کی اور اُس کے محبوب پیغمبر محمدؐ پر صلوٰۃ و سلام ہو۔ اُس عظیم پیغمبرؐ کے پاک اہل بیت اورعادل وصادق اصحابِ کرامؓ میں سے ہر کسی کے لئے دُعائے خیر ہو۔ حمد سے مراد، اس بات پر ایمان رکھنا اور اقرار کرنا ہے کہ سب نعمتیں اللہ کی تخلیق کردہ ہیں اوراُسی کی طرف سے ہمیں بھیجی جاتی ہیں ۔ شکر سے مراد، ان سب نعمتوں کا اسلامی اصول کے مطابق استعمال کرنا ہے۔

دینِ اسلام کے اعتقادات، اوامر و نواہی سے متعلق ہزاروں گراں قدر کتُب لکھی گئی ہیں، اُن میں سے زیادہ تر مختلف زبانوں میں تراجم ہوئیں اور ہر مملکت میں اِن کی نشرو اشاعت کی گئی۔ اس کے برعکس، غلط سوچ، تنگ نظر اور فرنگی جاسوسوں سے دھوکہ کھانے والے جاہل علماء دین اورزندیق ہمیشہ اسلام کے مفید، بافیض اور نورانی احکام یعنی اوامر اور نواہی پر حملہ کرتے رہے، داغدار کرتے رہے، تبدیل کرنے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے میں کوشاں رہے۔ اب ہمیں شکر بجا لانا چاہیئے کہ علمائے اسلام دنیا میں تقریبا ہر جگہ، اسلامی اعتقادات کی نشر و اشاعت اورمدافع کرتے نظر آتے ہیں۔ اسلامیت اصحابِ کرامؓ سے سن کر کتابیں تحریر کرنے والے حق راستے پر گامزن علماء کو (**علمائے اہلِ سنت**) کہا جاتا ہے۔ گو، چند حضرات ایسے بھی نظر آتے ہیں جنہوں نے علمائے اہلِ سنت کی کتب کا مطالعہ کئے بغیر یا سمجھے بغیر، قرآنِ کریم اور احادیث شریفہ سے غلط معنی اخذ کئے پھر غیر موزوں تقاریر اور تحاریرکے مرتکب ہوئے۔ ایسے باتیں اور تحریریں مسلمانوں کے مضبوط ایمان کے سامنے جم نہ سکیں، صاحبِ تقریر و تحریر کی کم علمی کے تظاہر سے بڑھ کر کوئی تاثیرنہ دکھا سکیں۔

اگر کوئی شخص خود کو مسلمان کہے یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا نظر آئے تو اُس کے مسلمان ہونے کا پتا چلتا ہے۔ بعد ازاں، اُس کی کسی بات سے، تحریر یا کسی حرکت سے، علمائے اہلِ سنت کی بیان کردہ ایمان کی معلومات سے اختلاف کی عکاسی ہو تو اُس کے کفر یا ضلالت پر ہونے کے متعلق اُسے شخصا بیان کر دیا جاتا ہے۔ اُسے اس عمل سے باز آجانے اور توبہ کرنے کی نصیحت کی جاتی ہے۔ اپنی کم عقلی اور بد فہمی سے کام لیتے ہوئے اگر اس عمل سے باز نہ آئے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ شخص گمراہ، مرتد یا پھر فرنگی کافروں کے ہاتھوں بکا ہوا ہے۔ چاہے وہ نماز پڑھے، حج ادا کرے، ہر طرح کی عبادات اور نیکیاں کرتا رہے فلاکت سے بچ نہ سکے گا۔ اُسے کفر کی طرف لے جانے والے عمل سے باز آئے بغیر وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کفر کی راہ پر لے جانے والے اعمال کے متعلق خوب علم رکھے اور خود کو مرتد ہونے سے محفوظ رکھے۔ کافروں، مسلمانوں کی شکل میں پائے جانے والے زندیقوں اورفرنگی جاسوسوں کو اچھی طرح جان کر، خود کو اُن کے شر سے بچاتے رہنا چاہیئے۔ رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے خبر دی کہ قرآنِ کریم اور احادیث سے غلط معنٰی نکالے جائیں گے اور اس کے نتیجے میں بہتّر گمراہ فرقوں کے خروج ہو گا۔ (**بریقہ**) اور (**حدیقہ**) نامی کتب، اس حدیث شریف کو (**بخاری**) اور (**مسلم**) سے نقل کرتیں ہیں۔ عظیم عالم اسلام اور دین کے پروفیسر کے نام سے پیدا شدہ اِن گمراہ فرقوں کے حامیوں کی کتابوں اور کانفرنسوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے، دین و ایمان کے اِن چوروں کے فریب سے بچنے کے لئے بڑا محتاط رہنا چاہیئے۔ اِن جاہل مسلمانوں کے علاوہ، ایک طرف کیمونسٹ اور فری میسن، دوسری طرف عیسائی مشنریز، فرنگیوں کے ہاتھوں بکے وہابی اور یہودی صیہونی قوتیں نئے نئے اُصول وضع کرکے مسلمان نوجوانوں کو بہکانے میں

کوشاں ہیں۔ من گھڑت تحریروں، فلموں، تھیٹر، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی نشریات سے اسلام اور ایمان کو ختم کرنے کے درپہ ہیں۔ اس مقصد کے لئے اربوں روپے حرج کررہے ہیں۔ علمائے اسلام رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے ان سب کے جوابات پہلے ہی سے دے رکھے ہیں، حضور اور نجات کا راستہ دین الٰہی ہی میں بتایا ہے۔

علمائے حق میں سے ہم نے مدبّر عالم اسلام مولانا خالد بغدادی عثمانی قدس سرہٗ کی کتاب (**اعتقادنامہ**) کو چُنا ہے۔ مرحوم الشیخ **حسین حلمی** بن سعید اِسطنبولی نے اس کتاب کا ترُکی زبان میں ترجمہ کرکے (**فرائد الفوائد**) نام دیا اور ۱۳۱۲ سنہ ھ میں مصر میں طبع کی گئی۔ اس ترجمے کی سلیس حالت کو ہم نے (**ہر کسی کیلئے لازم ایمان**) کانام دیا۔ اس کی پہلی طبع ۱۹۶۶ سنہ ھ میں کی گئی۔ اس میں کی گئی وضاحتوں کو ہم نے [] میں رکھ کر بیان کیا ہے۔ اس کتاب کی نشر و اشاعت ہمیں نصیب کرنے پر اللہ تعالٰی کا لا متناہی شکرادا کرتے ہیں! اس ترجمے کی اصل استنبول یونیورسٹی کتب خانہ میں (ابن الامین محمود کمال بیگ) کی تقسیم میں (**اعتقادنامہ**) کے نام اور F.۲۶۳۹ ریفرنس نمبر کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اس کا ترُکی زبان میں کیا گیا ترجمہ (**ایمان و اسلام**) کے نام سے (**حقیقت کتاب خانہ**) کی جانب سے طبع کیا گیا۔

(**دُرّ المُختار**) کے صاحبِ فضیلت مؤلف علا ٔالدین حصکفی **رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْهِ** نے کافر کے نکاح کی بحث کے اختتام میں فرمایا ہے: (اگر کوئی نکاح شدہ مسلمان لڑکی اپنے بالغہ ہونے پر، اسلامیت کا علم نہ رکھے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے[یعنی وہ لڑکی مرتد ہو جاتی ہے۔] یہ ضروری ہے کہ اُسے اللہ تعالٰی کی صفات بتائی جائیں وہ اِن کو دُہرائے اور کہے کہ میں اِن پر ایمان لائی)۔ ابنِ عابدین نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: (لڑکی کم سنی میں ؛ ماں باپ کے تابع تھی تو مسلمان تھی۔ بالغہ ہونے پر اپنے ماں باپ

کے دین کا تابع رہنا ختم ہوجاتا ہے۔ اسلامیت سے بے بہرہ رہ کربالغہ ہوئی تو مرتد ہوئی۔ ایمان کی چھ شرائط جان کر اُن پرایمان لائے بغیراوراس بات پر ایمان لائے بغیر کہ اسلامیت پر عمل کرنا ضروری ہے، چاہے وہ زبان سے **(کلمۂ توحید)** یعنی (لاَ اِلَهَ اِلاَّ اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ) ادا بھی کردے، تب بھی اُس کی اسلامیت برقرار نہ ہوگی۔ (آمَنْتُ بِاللهِ...) میں پائی جانے والی چھ چیزوں کوجان کر، اُن پر ایمان لانا اور اللہ کے اوامر اور نواہی کے قبول کا زبان سے اقرار کرنا اُس کے لئے ضروری ہے)۔ ابن عابدین کے اِن الفاظ سے پتا چلتا ہے کہ، ایک کافر جب کلمۂ توحید پڑھتا ہے اور الغرض اس کے معنٰی پر ایمان لے آتا ہے تو وہ اُسی پل مسلمان ہو جاتا ہے۔ لیکن ہر مسلمان کی طرح، جب بھی امکان ملے تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ؛ (آمَنْتُ بِاللهِ وَمَلاَئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ مِنَ اللهِ تَعَالَى وَالْبَعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ حَقٌّ اَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلَهَ اِلاَّ اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ) پڑھ کراور اُس کے لئے لازم و ملزوم اِس ایمان کی بنیادی شرائط کے معنٰی کسی معلمِ دین سے اچھی طرح سے سمجھ لے۔ ایک مسلمان بچہ اگراِن چھ شرائط اور اسلام کی تعلیمات کو نہ سیکھے گا اور اِن پر ایمان لانے کا اقرار نہ کرے گا تو عاقل اور بالغ ہونے پر وہ مرتد ہو جائے گا۔ ایمان لانے کے بعد **(اسلام کی تعلیمات)**یعنی فرض، حرام، وضو، غسل، نماز کاطریقہ اور ستر ڈھانپنے کے اصولوں کی بابت پوچھنا اوراُنہیں سمجھنا اُس پر فرض ہو جاتا ہے۔ جس سے پوچھا جائے اُس پر بھی عین فرض ہے کہ پوچھنے والے کو سمجھائے یا حقیقی دینی کتاب کا پتا بتائے۔ ایسا شخص یا ایسی کتاب نہ پا سکے تو اُس کی تلاش فرض ہے۔ اگر تلاش نہ کرے تو کافر ہوگا۔ جب تک مل نہ جائے اُس کی لا علمی اُس کے لئے عذر ہے۔ فرائض کو اپنے وقت پر ادا نہ کرنے والا اور حرام عمل کرنے والا جہنم میں عذاب پائے گا۔ ایمان کی

چھ شرائط پر مبنی تفصیلی معلومات ہماری اس کتاب میں موجود ہے۔ ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ یہ کتاب اچھی طرح سے پڑھ لے اور اپنے بچوں اور دیگر عزیزواقارب کے اس سے مستفید کرنے کے لئے کوشش کرتا رہے۔

ہماری کتاب میں آیاتِ کریمہ کے معنٰی لکھتے ہوئے (مفہوماً ارشاد کیا گیا) لکھا جاتا ہے۔ یہاں(مفہوماً)کہے جانے کا مطلب (علمائے تفسیر کے بیان کے مطابق) کہے گئے الفاظ ہیں۔ کیونکہ آیاتِ کریمہ کے حقیقی معنی صرف رسول اللہ ﷺ نے سمجھے اور اپنے اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کو بیان فرمائے۔ مفسرین نے اِن احادیث شریفہ کو اُن احادیث سے علیحدہ کردیا جو منافقین، اور فرنگی کافروں کے ہاتھوں بکے زندیقوں یعنی بے مذہب دینی علماء کی جانب سے گھڑی گئی ہیں۔ اور جو احادیث وہ نہ پا سکے اُن کے متعلق اُنہوں نے علمِ تفسیر سے استفادہ کرتے ہوئے، آیاتِ کریمہ سے معنٰی اخذکر لیا۔ عربی جاننے والے لیکن علمِ تفسیر سے بے خبر دینی جہلاء کی سمجھی گئی بات کو (**تفسیرِ قرآن**) نہیں کہا جا سکتا۔ اسی لئے حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا: (**قرآنِ کریم کو اپنی سمجھ کے مطابق معنٰی دینے والا کافر ہوگا۔**)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو علمائے اہلِ سنت کے بتائے سیدھے راستے پر قائم رکھے! اسلام کے جہلاء کے اورخود کو عظیم عالم اسلام جیسے ناموں سے متعارف کروانے والے بے مذہبوں کے اور منافقوں کے سُنہرے و پوشیدہ جھوٹوں کے فریب میں آنے سے محفوظ رکھے! آمین۔

حقیقت کتاب خانہ کی جانب سے اِشاعت شدہ سب کتابیں، ہر زبان میں انٹر نیٹ کی وساطت سے تمام دنیا میں نشر کی جاتی ہیں۔

میلادی عیسوی	ہجری شمسی	ہجری قمری
۱۴۳۵ سنہ ھ	۱۳۹۲ سنہ	۲۰۱۳ سنہ ء

تنبیہ: مشنریز، عیسائیت کے فروغ، یہودی تالمود کے فروغ، استنبول میں حقیقت کتابخانہ اسلام کے فروغ میں جبکہ فری میسنز ادیان کو ختم کرنے میں کوشاں ہیں۔ صاحبِ عقل، علم وانصاف اِن میں سے صحیح راستے کو جانچ لیتا اور ادراک کرکے سمجھ جاتا ہے۔ اس کی اشاعت میں مدد کرکے دُنیا اور آخرت میں کُل انسانیت کی سعادت کے لئے وسیلہء خیر بنتا ہے۔

آج مسلمانان عالم تین فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ پہلا فرقہ، اصحابِ کرامؓ کے راستے پر چلنے والوں یعنی حقیقی مسلمانوں پر مبنی ہے۔ اِنہیں **(اہلِ سنت)**، **(سُنّی)** اور **(فرقہ ناجیہ)** یعنی جہنم سے نجات پانے والا فرقہ کہا جاتا ہے۔ دوسرا فِرقہ دُشمنانِ اصحابِ کرامؓ پر مبنی ہے۔ اِنہیں **(شیعہ)** اور **(فرقہ ضالۃ)**یعنی گمراہ فرقہ کہا جاتا ہے۔ تیسرا فرقہ وہ ہے جو سُنّیوں اور شیعوں کا دشمن ہے۔ اِنہیں **(وہابی)** اور **(نجدی)** کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اِن لوگوں کا خروج سب سے پہلے سعودی عرب میں موجود نجد کے علاقہ سے ہوا تھا۔ اِنہیں **(فرقہ ملعونہ)** بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اِن کے متعلق ہماری کتب **(سعادت اَبدیہ)** اور **(قیامت وآخرت)** میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کو کافر کہیں گے۔ ہمارے پیغمبر ﷺ نے ایسا کہنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ مسلمانوں کو اِن تین فرقوں میں بانٹ دینے والے یہودی اور فرنگی ہیں۔

ہر مومن کواپنے تزکیہ نفس کے لئے یعنی اُس کی تخلیق میں پائی جانے والی جہالت اور گناہوں سے صفائی کے لئے ہر وقت **(لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ)** پڑھنا چاہیئے اور قلب کی صفائی کے لئے یعنی اپنے نفس، شیطان، برے دوستوں، نقصان دہ اور بُری کتابوں کی وجہ سے اُس میں میلان کردہ کفر اور گناہوں سے نجات کے لئے **(أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ)** پڑھنا چاہیے۔ اسلامیت کی اتباع کرنے والے اور گناہوں سے توبہ کرنے والے کی دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ تارکِ نماز، برہنہ اور اپنے مستورہ مقامات کی نمائش کرتی عورتوں کی جانب دیکھنے والا، حرام کھانے اورپینے والا اسلام کی اتباع سے عاری گنا جاتا ہے۔ اُس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

- ۱ -

افتتاح

مولانا خالد بغدادی «قَدَّسَ اللّٰہُ تَعَالیٰ سِرَّہُ الْعَزِیزْ» نے اپنی کتاب شروع کرنے سے پہلے **امام ربّانی احمد فاروقی** سرہندی «رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ» کی کتاب **(مکتوبات)** کی تیسری جلد کاستارہواں مکتوب لکھ کر اپنی کتاب کو زینت اور برکت دینا چاہی ہے۔ **امام ربّانی** «قدس سِرُّہُ»[۱] اس مکتوب میں یوں فرماتے ہیں:

میں اپنے مکتوب کو بِسْمِ اللّٰہِ سے شروع کرتا ہوں۔ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم پر انعام کیا اور ہمیں اسلام کی راہنمائی کی اور ہمیں سید الانام حضرت محمد ﷺ کی امت سے بنایا۔ جاننا چاہیئے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ علی الاطلاق انعام کرنے والا ہے۔ اگر وجود ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کی عنایت سے دیا ہوا ہے اور بقا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہے اور اگر صفات کاملہ ہیں تو اُسی کی رحمتِ شاملہ سے ہیں۔ زندگی و دانائی و توانائی و بینائی و شنوائی اور گویائی سب اللہ ہی کی بارگاہ سے ملی ہیں اور طرح طرح کی نعمتیں اور قسم قسم کے کرم جو کہ حد اور گنتی سے باہر ہیں یہ بھی اُسی کی جانب قدس سے فائض ہوئی ہیں۔ سختی کا ازالہ وہی فرماتا ہے اور دعائوں کی قبولیت اور اور دفع بلا وہی کرتا ہے۔ وہ رزاق ہے کہ اپنی کمال مہربانی سے بندوں کے رزق کو گناہوں کے سبب سے روکے نہیں رکھتا۔ وہ پردہ پوش ہے جو عَفو وتجاوز کی کثرت کے باعث گناہوں کے اِرتکاب سے ان کی پردہ دری نہیں کرتا۔ وہ بُردبار ہے کہ ان کی سزا ومواخذہ میں جلدی نہیں کرتا وہ کریم ہے کہ اپنے

---

(۱) امام ربّانی، متوفی ۱۰۳۴ھ [۱۶۲۴ء]

عام کرم کو دوست دشمن سے روکے نہیں رکھتا اور ان نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت اسلام کی دعوت ہے۔ اور دارالسلام کی راہنمائی اور سید الانام ﷺ کی متابعت کہ ہمیشہ کی زندگی اور دائمی نعمتیں اس سے وابستہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی ملاقات اس سے متعلق ہیں۔

مختصر یہ کہ اس کے انعام و اکرام و احسان اَظہر من الشمس ہیں اور چاند سے زیادہ روشن ہیں ۔ دوسروں کا انعام اس کی قدرت دینے اور طاقت دینے سے ہے اور ان کا احسان استعارہ من المستعیر اور سوال من الفقیر کے قبیل سے ہے۔ بیوقوف بھی عقلمندوں کی طرح اس معنی کا اقرار کرتے ہیں اور غبی بھی ذہین کی طرح اس امر کے معترف ہیں۔

گر برتن من زبان شود ہرموئے * یک شکردے از ہزار نتوانم کرد

اور شک نہیں ہے کہ ہدایت عقل منعم کے شکر کے وجوب کا حکم رکھتی ہے اور اس کی تعظیم و توقیر کو لازم جانتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا شکر جو کہ منعم حقیقی ہے، ہدایتِ عقل سے واجب ہوا اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتوقیر لازم ٹھہری۔ چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کمال درجہ کا پاک اور منزہ ہے اور بندے انتہائی درجہ کی گندگی اور آلودگی میں ہیں اپنی کمال بے مناسبتی سے وہ کیا معلوم کر سکیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتکریم کس چیز میں ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کی جنابِ اَقدس کی شان میں بعض اُمور کو لوگ اچھا سمجھیں اور فی الحقیقت اس کے نزدیک وہ بُرے ہوں اور وہ تعظیم خیال کریں اور وہ توہین ہو وہ تکریم تصور کریں اور وہ تحقیر ہو پَس جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم اسی کی جنابِ اَقدس سے مستفاد نہ ہو شکر کے لائق نہ ہوگی اور نہ اس کی عبادت کے قابل ہوگی۔ کیونکہ وہ حمد جو ان کی طرف سے ہوگی ہو سکتا ہے

کہ ہجو ہو اور مدح عیب ہو جائے اور وہ تعظیم و توقیر جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مستفاد ہوگی ہماری نسبت سے وہی شریعت حقہ ہے۔ **علیٰ مصدرھاً الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ۔**

اگر دلی تعظیم ہے تو وہ بھی شریعت حقہ میں بیان کردی گئی ہے اور اگر زبانی ثنا ہے تو وہ بھی اس جگہ مدلل ہے۔ اعضا کے اعمال و افعال کو بھی صاحبِ شریعت نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا شکر اس کی شریعت کی پابندی میں مُنحصر ہے۔ دل اور جسم سے بھی اور اعتقاد اور عمل سے بھی۔ اور ہر قسم کی تعظیم اور اس کی عبادت جو شریعت کے علاوہ ادا کی جائے وہ اعتماد کے لائق نہیں ہے بلکہ بہت دفعہ ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ اضداد کو حاصل کرنے والی ہو اور جسے نیکی خیال کیا جاتا ہے وہ فی الحقیقت بُرائی ہو۔ پس بیان مذکور کو ملاحظہ کرنے کے بعد شریعت پر عمل کرنا عقل کی رو سے واجب ٹھہرا۔

اُس کے راستے کو (**اسلامیت**) کہا جاتا ہے۔ محمد ﷺ کی اِتباع کرنے والے کو (**مسلمان**) کہا جاتا ہے ۔ اور منعم تعالیٰ کے شکر کی ادائیگی یعنی شریعت محمدی ؐپر چلنے (**عبادت**) کہا جاتا ہے۔ علومِ اسلام دو قسموں پر مشتمل ہے: علومِ دین اور علومِ فن۔ دین میں اِصلاح پرست یعنی ریفارمسٹ حضرات علومِ دین کو (**متکلمانہ** Scholistic **علوم**) اور علوم فن کو (**منطقی** Rational **علوم**) کا نام دیتے ہیں۔ علوم دین کو بھی دو میں تقسیم کیا جاتا ہے:

ا۔ وہ تعلیمات جن پر دل سے اعتقاد کرنا یعنی ایمان لانا ضروری ہے۔ اِن کوتعلیماتِ (**اُصولِ دین**) یا (**ایمان**) کہا جاتا ہے۔ المختصر، (**ایمان**) اُن چھ ارکان پر ایمان لانے کا نام ہے جو محمد ﷺ نے بیان فرمادیئے پھر اسلام قبول کرکے وہ ارکان برلبِ زبان لانے اور عمل کرنے سے خود کوروکنے کا نام ہے جوکفر کی علامات گنی گئی

ہیں۔ ہر مسلمان کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ کفر کی علامات کو جانے اور اِن سے خود کو بچائے رکھے۔ صاحبِ ایمان (**مسلمان**) کہلاتا ہے۔

۲۔ وہ تعلیمات جن میں اُن عبادات کے متعلق بتایا گیا ہے جو بدن اور قلب سے ادا کی جاتی ہیں یا جن سے خود کو محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ جن چیزوں پر عمل کا حکم دیا گیا ہو اُنہیں (**فرض**)، جن سے بچنے کا حکم دیا گیا ہو اُنہیں (**حرام**) کہا جاتا ہے۔ اِنہیں (**فروعات دین**) یا (**احکامِ اسلامیہ**) یا پھر (**اِسلامیات**) کا نام دیا جاتا ہے۔

[سب سے پہلا رُکن جو سب کے لئے لازم ہے، (**کلمۂ توحید**) کہنا اور اس کے معنی پر ایمان لانا ہے۔ **کلمۂ توحید** (**لاَ اِلَهَ اِلاَّ اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ**) ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں)۔ اس پر یقین کرنے کو (ایمان لانا) یا (مسلمان ہونا) کہلاتا ہے۔ ایمان لانے والے کو (**مومن**) اور (**مسلمان**) کہا جاتا ہے۔ ایمان میں ثابت قدمی ضروری ہے۔ اس لئے ایسے اعمال سے بچنا ضروری ہے جو کفر کا سبب بنیں اور ایسی چیزوں کے استعمال سے اِجتناب ضروری ہے جو کفر کی علامات ہیں۔

قرآنِ کریم کلامِ الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ نامی فرشتے کی وساطت سے قرآنِ کریم کو محمد ﷺ پر نازل فرمایا۔ قرآنِ کریم کے کلمات عربی ہیں۔ لیکن اِن الفاظ کو ترتیب اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ قرآنِ کریم کے عربی الفاظ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترتیب شدہ آیات، حروف اور کلمات کی شکل میں نازل ہوئے۔ یہ حروف و الفاظ اپنے معنی میں کلام الٰہی لئے ہوئے ہیں۔ اِن حروف و الفاظ کو (**قرآن**) کہا جاتا ہے۔ وہ الفاظ جو کلام الٰہی کے معنی دے وہ بھی قرآن ہی ہے۔ یہ قرآن، کلام اِلٰہی ہے مخلوق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کی طرح یہ بھی اَزلی اور اَبدی ہے۔ جبرائیلؑ سال میں

ایک دفعہ تشریف لا کر، اُس وقت تک کے نازل شدہ قرآن کریم کو لوحِ محفوظ میں مندرجہ ترتیب کے مطابق پڑھتے، رسول اللہ ﷺ بھی اُسے دہُراتے ۔ وِصال کے سال وہ دو دفعہ تشریف لائے اور پورا قرآنِ کریم پڑھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اور بہت سے اصحابِ کرامؓ نے پورا قرآنِ کریم حِفظ کر رکھا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی وفات کے سال حافظ اصحاب کو اکٹھا کیا، تحریر شدہ نسخہ جات اکٹھے کئے اورایک مجلس تشکیل دی جس نے سارا قرآن قلم بند کردیا۔ اس طرح (**مصحف**) نامی ایک کتاب تشکیل دے دی گئی۔ تینتیس ہزار اصحابِ کرامؓ نے متفقہ طور پر فیصلہ دیا کہ مصحف کا ہر ہر حرف قطعی طور پر صحیح اور اپنے مقام پر رکھا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو (**حدیثِ شریف**) کہا جاتا ہے۔ اِن میں وہ احادیث کہ جن میں مفہوم اللہ تعالٰی کی جانب سے، جبکہ ادائیگی رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے ہوئی (**احادیثِ قدسیہ**) کہلائیں۔ احادیث کی کئی ایک کتب پائی جاتی ہیں۔ اِن میں (**بخاری**) اور (**مسلم**) بہت مشہور ہیں۔

اللہ تعالٰی کی جانب سے دیئے گئے احکام میں سے وہ کہ جن کودل سے قبول کرنا ضروری ہے (**ایمان**)، جن پر عمل کرنا ضروری ہے (**فرض**) اورجن سے اِجتناب ضروری ہے وہ(**حرام**) کہلاتے ہیں۔ فرائض اور حرام کو (**احکامِ اسلامی**) کہا جاتا ہے۔ تعلیمات اسلام میں سے کسی ایک کا منکر (**کافر**) کہلاتا ہے۔

انسان کے لئے دوسری ضروری شے، قلب کی صفائی ہے۔ قلب سے دو چیزیں مراد لی جاتی ہیں۔ ہمارے سینے میں پایا جانے والے گوشت کے ایک ٹکڑے کو ہر کوئی قلب کا نام دیتا ہے۔ دِل کے نام سے پہچانا جانے والا یہ قلب، حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے۔ دوسرا قلب وہ ہے جو دِل کے اندر پایا جانے والا اور غیر مرئی ہے۔ اس قلب کو

(نفس) کہا جاتا ہے۔ دینی کتب میں بیان کیا گیا قلب دراصل یہی نفس ہے۔ تعلیماتِ اسلامی کی جگہ یہ قلب ہے۔ ایمان لانے والا اور ایمان سے انکار کرنے والا قلب بھی یہی ہے۔ ایمان لانے والا قلب پاک ہے۔ ایمان کا منکر قلب ناپاک ہے، مُردہ ہے۔ ہمارا اوّلین فریضہ، تزکیۂ قلب کے لئے محنت کرنا ہے۔ عبادت کرنا، خاص طور پر نماز پڑھنا اور استغفار کا وِرد کرنا قلب کی صفائی کا موجب ہے۔ حرام اعمال کا ارتکاب قلب کی خرابی کا سبب بنتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، (**بہت زیادہ استغفار کرو! تواتر سے دعائے استغفار کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بیماریوں اور ہر درد سے محفوظ فرماتا ہے۔ انجانے ذرائع سے رزق عنائت فرماتا ہے۔**) استغفار سے مراد (**أَسْتَغْفِرُ الله**) پڑھنا ہے ۔ دُعائوں کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ پڑھنے والا مسلمان ہو، گناہوں سے توبہ کرے اور اس کے معنی کو باقاعدہ سمجھتے ہوئے پڑھے۔ سیاہ قلب سے کی گئی دعا مقبول نہیں ہوتی۔ تین مرتبہ دعا پڑھنے والے اور پنجگانہ نماز ادا کرتے رہنے والے کا قلب صاف ہوجاتا ہے اور خودبخود وِرد کرتے رہنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ قلب سے تصدیق کئے بغیر صرف زبان سے ادا کی گئی دعا کوئی افادیت نہیں رکھتی۔

دینِ اسلام کی دی گئی تعلیمات وہی ہیں جو علمائے(**اہلِ سنت**) کی کتب میں تحریر کی گئی ہیں۔ وہ شخص جو علمائے اہلِ سنت کی جانب سے بتائی گئی تعلیماتِ ایمان اور اسلام میں سے بالکل واضح معنی والی (**نصوص**)تعلیمات کا، یعنی آیاتِ کریمہ اور احادیثِ شریفہ میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرتا ہے، وہ (**کافر**) ہے۔ اپنے اس انکار کو چھپا رکھنے والے کو (**منافق**) کہتے ہیں۔ اگراس انکار کو چھپاتے ہوئے وہ مسلمانوں کو فریب دینے کی کوشش کرے تو (**زندیق**) کہلائے گا۔ وہ نصوص جن کے معنی صاف واضح نہیں، اُن کی غلط تاویل کرکے غلط ایمان کا مرتکب ہونے والا کافر نہیں ہوگا۔ لیکن اہلِ سنت

کے صحیح راستے سے علیحدہ ہونے کی وجہ سے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ یہ شخص واضح معنی والی نصوص پر ایمان رکھنے کی بنا پر ہمیشہ کے لئے عذاب میں نہیں رہے گا، جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کردیا جائے گا۔ اِنہیں (**اہل بدعت**) یا (**فرقہ ہائے ضلالت**) کہا جاتا ہے۔ فرقہ ہائے ضلالت کی بہتّر اقسام ہیں۔ اُن کی، کفار کی، مرتدوں کی عبادات، انسانوں کے ساتھ کی گئی اُن کی اچھائیاں اور خدمات میں سے کوئی بھی قبول نہیں کی جاتی اور آخرت میں بھی کسی کام نہ آئے گی۔ صحیح اعتقاد پر گامزن مسلمانوں کو (**اہلِ سنت والجماعت**) یا (**سُنّی**) کہا جاتا ہے۔ سُنّی عبادت کی ادائیگی کے لحاظ سے چار مسالک میں جُدا ہیں۔ اِن چار مسلکوں کے پیروکار لوگ ایک دوسرے کو اہلِ سنت مانتے ہیں اور آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ اِن چار مسالک میں سے کسی کی پیروی کئے بغیر کوئی شخص اہلِ سنت نہیں ہو سکتا۔ جو شخص اہلِ سنت نہیں، اُس کے کافر یا اہل بدعت ہونے کے متعلق امام ربّانی کی کتاب مکتوبات میں، بالخصوص پہلی جلد کے مکتوب نمبر دو سو چھیاسی میں اور امام طحطاوی کی شرح (**دُر المختار**) میں (**ذبائح**) کے باب میں اور (**اَلْبَصَائِرُ لِمُنْکِرِ التَّوَسُّلِ بِاَھْلِ الْمَقَابِر**) نامی کتاب میں وثوق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں عربی میں لکھی گئی ہیں۔ دوسری کتاب ہندوستان میں لکھی گئی اور شائع ہوئی، ۱۳۹۵ھ [۱۹۷۵ء] میں استنبول میں شائع ہوئی، بعد میں استنبول حقیقت کتاب گھر کی جانب سے اس کی آفسٹ پرنٹ کے ذریعے متعدد بار طباعت کی گئی۔

چار مسالک میں سے ایک کے مطابق، عبادت کرنے والے اگر گناہ کا اِرتکاب کریں یا عبادات میں کوئی قصور کر بیٹھیں اور توبہ کرلیں تو اُن کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اگر توبہ نہ کریں تو اللہ تعالٰی چاہے تو معاف فرمادے اور جہنم میں داخل نہ کرے۔ اگر چاہے تو اُن کو گناہوں کے مطابق وہ عذاب دے دے، عذاب جھیلنے کے

باوجود بھی آخرکار وہ نجات پا ہی جائیں گے۔ دین میں ضروری اور جانی پہچانی تعلیمات، یعنی وہ جن کو ان پڑھ لوگ بھی جانتے ہیں اور اِن بڑی ہی واضح تعلیمات میں سے کسی ایک کا اِنکار کرنے والے قطعی طور پر تا ابد جہنم میں عذاب جھیلیں گے۔ اِنہیں **(کافر)** اور **(مرتد)** کہا جاتا ہے۔

کفّار کی دو اقسام ہیں ایک وہ جو اہلِ کتاب ہیں اور دوسرے جو بے کتاب ہیں۔ مسلمان پیدا ہوکر بعد میں دین سے منحرف ہوکر کفر اپنانے والے کو **(مرتد)** کہتے ہیں۔ ابن عابدین «رَحمَہُ اللہ تعالیٰ» فرماتے ہیں کہ شرک کی وجہ سے جن سے نکاح حرام ہے اُن میں (مرتد، ملحد، زندیق، مجوسی، بُت پرست، قدیم یونانی فلسفہ کے پیروکار، منافق، بہتّر فرقوں کو ترک کرکے کافر بن جانے والے، [برہمن، بدھ مت]، باطنی، اباحی، دُرزی کہلانے والے لوگ شامل ہیں اور یہ سب لوگ بے کتاب کافر ہیں۔)کیمونسٹ اور فری میسن بھی اسی زُمرے میں آتے ہیں۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی سماوی لیکن بعد اَزاں تحریف شدہ کتب **(تورات)** اور **(اِنجیل)** پر ایمان رکھنے والے اُن کافروں میں شُمار ہوتے ہیں جو اہلِ کتاب ہیں۔ اِن میں سے اگر کوئی، کسی مخلوق میں **(صفاتِ الٰہیہ)** کے پائے جانے پر ایمان رکھے تو وہ **(مُشرک)** ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی **(صفاتِ ذاتیہ)** اور **(صفاتِ ثبوتیہ)** کو **(صفاتِ الٰہیہ)** کہا جاتا ہے۔

کافر خواہ وہ اہلِ کتاب ہو یا بے کتاب، مسلمان ہو جائے تو جہنم میں داخل ہونے سے نجات پا جاتا ہے۔ وہ ایسا مسلمان ہو جاتا ہے جو بے گناہ، پاک و صاف ہو۔ لیکن اس کا ایک **(سُنّی)** مسلمان ہونا ضروری ہے۔ سُنّی ہونے سے مراد، یعنی علمائے اہلِ سنت «رَحمَہُمُ اللہ تعالیٰ» میں سے کسی کی کتاب پڑھ کر، سمجھ کر اپنے ایمان، اپنے الفاظ اور اپنے اعمال کو اس کے مطابق ڈھال لینا ہے۔ دنیا میں کسی انسان کا مسلمان ہونا یا نہ

ہونا، بلا ضرورت، واضح طور پر اُس کے الفاظ اور اُس کے اعمال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس انسان کا خاتمہ بالایمان ہونایا نہ ہونا، اُس کے آخری سانس پر واضح ہوتا ہے۔ کبیرہ گناہ کا مُرتکب کوئی مسلمان مرد یا عورت، صاف دل سے توبہ کرے تو اُس کے گناہ بلا شبہ معاف ہو جاتے ہیں۔ وہ بے گناہ اور پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ (**توبہ**) کے متعلق کہ وہ کیا ہے اور کیسے کی جاتی ہے دینی کتب مثلاً ترکی اور عربی میں شائع شدہ(**ایمان اور اسلام**) اور (**سعادتِ اَبدیہ**) میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔]

۔ ۲ ۔

ایمان اور اسلام

(**اعتقادنامہ**) نامی اس کتاب میں ایک حدیثِ شریف نقل کی گئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے (**ایمان اور اسلام**) کے متعلق وضاحت فرمائی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس حدیث شریف کی برکت سے مسلمانوں کا اعتقاد مکمل [قوت میں اضافہ] ہوگا، اس طرح اُن کو صلاح اور سعادت نصیب ہوگی اور کثرت جرم و گناہ کا مرتکب یہ خالد ''قدس سرہ'' بھی اس سبب سے نجات حاصل کر پائے گا۔

کسی شے کی حاجت سے مبرأ اور بے انتہا احسان کے ساتھ اپنے بندوں پر رحم کرنے والے اللہ تعالیٰ پر میرا حُسنِ اعتقاد کچھ یُوں ہے کہ، یہ فقیر خالدکہ جس کا سرمایہ قلیل اور قلب سیاہ ہے، دعا کرتا ہے کہ وہ اس کے بلامقصد الفاظ معاف کرے اور اس کی پُر تقصیر عبادات کو قبول فرمائے! جھوٹے، فریبی شیطان کی برائیوں سے [اور دُشمنانِ اسلام کے جھوٹی غلط باتوں اور تحریروں پر فریب کھانے سے] محفوظ فرماکر شاد فرمائے! رحمدلوں میں سب سے بڑھ کر مرحمت فرمانے والا اور احسان کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر عطا کرنے والا بس اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

علمائے اسلام فرماتے ہیں کہ، جو شخص (**مکلف**) ہو، یعنی ہر عاقل اور بالغ مسلمان عورت و مرد کے لئے ضروری ہے کہ[اللہ تعالیٰ کو جانے، سمجھے یعنی] اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ اور صفاتِ ثبوتیہ کو صحیح طور پر سمجھے اور اُن پر ایمان لائے۔ ہر کسی کے لئے اوّلین فریضہ یہی ہے۔ نہ جاننا عذر نہیں ہو گا۔ نہ جاننا گناہ ہو گا۔ ابن احمد خالد البغدادی کا یہ کتاب لکھنا اس مقصد کے لئے نہیں کہ دوسروں پر فوقیت دکھائی جائے یا علم کو بیچ کر شہرت حاصل کی جائے۔ فقط اپنے پیچھے ایک یادگاراور نشانِ خدمت چھوڑ جانا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عاجز خالد[۱] کواور تمام مسلمانوں کو اپنی قدرت اور اپنے رسولؐ کی روح مبارکہ کی مدد سے فیض یاب فرمائے! آمین۔

[اللہ تعالیٰ کی (**صفات ذاتیہ**) چھ ہیں۔ یہ: **وُجُود**، **قِدَم**، **بَقا**، **وَحدَانیت**، **مُخالَفَۃ لِلحَوَادِیث** اور **قِیَام بِنَفسِہٖ** ہیں۔ وجود سے مراد، خود سے وجود میں آنا ہے۔ قِدَم سے مراد، ایسی موجودگی کہ جس سے پہلے کوئی شروعات نہ ہو۔ بَقا، ایسی موجودگی ہے کہ جس کا اخیر نہ ہو، کبھی ختم نہ ہو۔ وَحدَانیت سے مراد، کسی طور پر کوئی شریک، نظیر یا مثل کا نہ پایا جانا ہے۔ مُخَالَفَۃٌ لِلحَوَادِیث، کسی چیز میں، مخلوق سے کسی طور مماثلت نہ رکھنا مراد ہے۔ قِیَام بِنَفسِہٖ، اُس کی موجودگی کاخود سے ہونا، ہمیشہ موجود رہنا اور کسی چیز کا محتاج نہ ہونا مراد ہے۔ یہ چھ صفات کسی میں یعنی کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتیں۔ اِن کا مخلوقات سے کسی صورت کوئی تعلق یا بندھن نہیں ہے۔ بعض علماء کے مطابق **وَحدَانیت** اور **مُخَالَفَۃٌ لِلحَوَادِیث** ایک ہی ہیں۔ لہٰذا وہ پانچ (**صفاتِ ذاتیہ**) شمار کرتے ہیں]۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر شے کو (**ماسوا**) یا (**عالم**) کہا جاتا ہے۔ اب اِنہیں (**طبیعت**۔ Nature) کا نام دیتے ہیں۔ تمام عالمین کا وجود نہ تھا۔ سب کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا۔

---

(۱) خالد بغدادی، ۱۲۴۲ھ [۱۸۲۶ء] میں شام میں وفات پائی۔

تمام عالمین ممکن ہیں اور حادث ہیں یعنی ناموجودگی میں وجود میں لائے جا سکتے ہیں اور موجودگی میں غیر موجود کئے جا سکتے ہیں، اور وہ سب ناموجود سے وجود میں لائے گئے ہیں۔ (**اللہ تعالیٰ موجود تھا۔ کوئی چیز موجود نہ تھی**) حدیث شریف میں اس کی وضاحت فرمادی گئی ہے۔

عالم کے حادث ہونے کی دوسری دلیل، عالموں کاہر وقت خراب ہوکر تبدیل ہوتا رہنا ہے۔ ہر شے تبدیل ہوتی ہے۔ بس قدیم ذات ہی ہے جو بالکل تبدیل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات [یعنی بذاتِ خود]اور اُس کی صفات ایسی ہی ہیں، یہ بالکل تبدیل نہیں ہوتیں۔ [حالانکہ عالم میں، قانون طبیعیات میں مادے کی حالت میں تبدیلی وقوع پذیر ہوتی ہے۔ کیمیا ئی عمل میں مادے کے مرکز اور بنیادی شکل بدل جاتی ہے۔ ہم اَجسام کو توڑکر دیگر اَجسام میں تبدیل ہوتا دیکھ سکتے ۔ آج کے جدید علم کی رُو سے جوہر میں تبدیلی اور اُس کے مرکز میں وقوع ہونے والے ردّ عمل سے مادّہ، عنصر فنا پذیر ہو جاتا ہے۔ توانائی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔] عالموں کی ایسی تبدیلیاں، ایک دوسرے سے وجود میں آنا، اَزل سے وارد نہیں۔ اس کی کوئی شروعات، نا موجودگی سے وجود میں آنے والے سب پہلے مادّے سے، عنصر سے حاصل ہونا لازمی ہے۔

عالم کے ممکن ہونے، یعنی ناموجود سے وجود میں آنے کی ایک دلیل عالم کا حادث ہونا بھی ہے۔ یعنی ہر شے کا ناموجودگی وجود میں آنا ہے۔ [وجود، کا مطلب موجود ہوناہے۔ وجود کی تین اقسام ہیں: پہلا، (**واجبُ الوجود**) ہے۔ یعنی وہ وجود جس کی موجودگی لازمی ہے۔ وہ ہمیشہ ہے۔ اَزل کے پہلے سے ہے اور اَبد کے بعد بھی جسے فنا نہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی واجبُ الوجود ہے۔ دوسرا، (**ممتنع الوجود**) ہے۔ یعنی جس کی موجودگی ممکن نہیں۔ اُس کی ناموجودگی لازمی ہے۔ شریکِ باری ایسے ہی ہے۔ یعنی،

اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک، اللہ تعالیٰ جیسا کوئی دوسرا معبود کبھی موجود ہی نہیں ہو سکتا۔ تیسرا، (**ممکن الوجود**) ہے۔ یعنی جو موجود بھی ہو سکتا ہے اور فنا بھی ہو سکتا ہے۔ سب عالم، مخلوقات ایسے ہی ہیں۔ لفظ(وجود) کا برعکس (عدم) ہے۔ عَدم سے مُراد نیستی ہے۔ تمام عالم، یعنی ہر شے وجود میں آنے سے پہلے عدم میں تھی۔ یعنی نہیں تھی۔]

موجود، یعنی پائی جانے والی چیز کی دو اقسام ہیں: ایک (**ممکن**)، دوسری (**واجب**) ہے۔ اگر موجود، صرف ممکن ہی ہوتا اور واجب الوجود نہ ہوتا تو کوئی چیز وجود میں نہ آتی۔ [کیونکہ، عدم سے وجود میں آنا، ایک تبدیلی ہے، ایک حادثہ ہے۔ علم طبیعیات کی رُو سے ایک جسم میں ہونے والی کسی تبدیلی کے لئے، اُس جسم پر کسی بیرونی قوت کا اثر پذیر ہونا، اِس قوت کے سرچشمہ کا پہلے سے موجود ہونا ضروری ہے۔] اِس لئے، وہ موجود جو ممکن ہے، خود بخود وجود میں نہیں آسکتا اور اپنی موجودگی کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ اُس پر کوئی قوت تاثیر نہ کرتی تو ہمیشہ عدم میں ہی رہتا۔ کبھی وجود میں نہ آتا۔ خود کو موجود کرنے سے قاصر، دیگر ممکنات کو بھی تخلیق نہیں کر سکتا، پیدا نہیں کر سکتا۔ ممکن کو تخلیق کرنے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ واجب الوجود ہو۔ عالم کا وجود میں آنا، اسے عدم سے وجود میں لانے والے ایک خالق کی موجودگی کا اثبات ہے۔ ثابت ہوا کہ، حادث ہوئے بغیر اور ممکن ہوئے بغیر، یعنی ہمیشہ کی موجودگی کے ساتھ، سب ممکنات کا واحد خالق ہی واجب الوجود ہے ۔ وہ قدیم ہے۔ یعنی ہمیشہ سے تھا۔ واجب الوجود سے مراد، وہ ہے جس کا وجود کسی اور سے نہیں، خود سے ہو۔ یعنی وہ خود ہی ہمیشہ سے موجود ہے۔ کسی اور کی جانب سے تخلیق نہیں کیا گیا۔ اگر ایسا نہ ہو تاتواُس کا ممکن اور حادث ہونا، کسی اور کی طرف سے تخلیق کیا جانا ضروری ہوتا۔ جبکہ یہ نتیجہ، فکر کے برعکس ہے۔ فارسی میں لفظ (**خدا**) سے مراد، ہمیشہ سے خود بخود سے ہونے والا، یعنی قدیم ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عالم حیرت انگیز نظام میں پائے جاتے ہیں۔ سائنس، ہر سال نئے عالموں کو کَشف کرتی ہے۔ اِس نظام کے خالق کا، **(حی)** زندہ و جاوید، **(عالم)** جاننے والا، **(قادر)** قوت والا، صاحبِ اِرادہ، **(سمیع)** سننے والا، **(بصیر)** دیکھنے والا، **(متکلم)** بات کرنے والا اور **(خالق)** تخلیق کرنے والا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ، مرنااور جاہل ہونا اور کمزور ہونا اور مشکل سے کام کرنا، بہرہ پن اور اندھا پن اور گونگا پَن سب قصور ہیں اور شرمندگی کا باعث ہیں۔ اِس کائنات کو، اِس عالم کو، اس نظام پر تخلیق کرنے والے اور فنا ہونے سے محفوظ رکھنے والے کی صِفات اِیسی پُر قصور ہوں، یہ ممکن نہیں۔

[جوہر سے ستاروں تک ہر شے ایک حساب کے ساتھ، قانون کے تحت تخلیق کی گئی ہے۔ علومِ طبیعیات، کیمیا، نجوم اور حیاتیات میں کَشف کئے گئے قوانین میں، بندھنوں میں پائے جانے والے نظام دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ڈاروَن نے مجبور ہو کر کہا (آنکھ کی بناوٹ میں پایا جانے والے نظام اور باریکیوں کو سوچ سوچ کرمیرا دماغ حیرت سے گھوم کر رہ جاتا ہے)۔ ہوا، ۷۸ فیصد نائٹروجن، ۲۱ فیصد آکسیجن اور ۱ فیصد دیگر گیسوں کا آمیزہ ہے۔ مرکب نہیں، آمیزہ ہے۔ آکسیجن اگر ۲۱ فیصد سے زیادہ ہوتی تو ہمارے پھیپھڑوں کو جلا ڈالتی۔ ۲۱ فیصد سے کم ہوتی تو خون میں موجود غذائی مادوں کو جلانے کے قابل نہ ہوتی۔ انسان اور حیوانات زندہ نہ رہ پاتے۔ ۲۱ فیصد کی یہ مقدار کسی جگہ پر اور بارش میں بھی نہیں بدلتی۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ کیا یہ اللہ کی موجودگی، اُس کی قدرت اور مرحمت کا ثبوت نہیں؟ اِس غیر معمولی عجوبہ کے سامنے آنکھ کی بناوٹ ہیچ رہ جاتی ہے۔ سائنس کے تمام علوم کے متعلق پڑھائے جانے والے سب قوانین، نازک حساب اور کلیات کے خالق کی صفات میں کیسے ممکن ہے کہ نقص پایا جائے؟]

اِس کے علاوہ، مندرجہ بالا صفات کاملہ کو ہم مخلوقات میں بھی دیکھتے ہیں۔ اُس نے اِن صفات کو مخلوقات میں پیدا فرما دیا ہے۔ اگر یہ صفات خود اُس میں نہ پائی جاتیں تو مخلوقات میں کیسے پیدا کر سکتا تھا؟ اگر اُس میں نہ پائی جاتیں تو مخلوقات کو خود اُس پر فوقیت ہوتی۔

ہم پھر کہتے ہیں کہ، عالموں کے خالق کا سب کامل، اَفضل صِفات کا مالک ہونا اور ناقص صفات سے قطعی طور پر مبرأ ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ ناقص اور قصور والا خدا، خالق نہیں ہو سکتا۔

عقل کی طرف سے نشاندہی کی گئی اِن دلیلوں کو اگر ہم ایک جانب بھی رکھ چھوڑیں تو آیات کریمہ اور اُحادیث شریفہ میں اللہ تعالیٰ کی مکمل صفات بڑی واضح طور پر بیان کردی گئی ہیں۔ اِس میں شبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ شبہ کرنا سببِ کفر ہو گا۔ مندرجہ بالا آٹھ صِفات کاملہ کو (**صفاتِ ثبوتیہ**) کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ثبوتیہ آٹھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ میں سب کامل صفات پائی جاتی ہیں۔ اُس کی ذات میں اور صفات میں اور کاموں میں کسی قسم کا کوئی قصور اور ابتری اور تبدیلی نہیں پائی جاتی۔ (**صفاتِ ذاتیہ**) اور (**صفاتِ ثبوتیہ**) کو (**صفاتِ الٰہیہ**) کہا جاتا ہے۔ کسی مخلوق میں صفاتِ الٰہیہ کی موجودگی پر ایمان رکھنے والا (**مشرک**) ہوتا ہے۔

۔ ۳ ۔

اسلام کی شرائط

اب اُس اللہ تعالیٰ کی مدد سے، جو تمام عالموں کی موجودگی کو ہمیشہ برقرار رکھنے والا، ہمیشہ حاضر و ناظر اور سب اچھائیوں اور نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ مبارک کی وضاحت بیان کرنا شروع کرتے ہیں۔

مسلمانوں کی شجاعت کے اِمام، بلند پایہ اور اَعلیٰ اصحابؓ میں نمایاں مقام کے حامل، ہمیشہ کھری بات کرنے کی شہرت رکھنے والے ہمارے معزز بزرگ حضرت عمرؓ بن خطاب یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"ایک ایسا دن تھا کہ اصحابِ کرامؓ میں سے ہم کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے حضور آپؐ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ وہ دن، وہ وقت، ایسا شرف والا، ایسا گراں قدر کہ شاید پھر کبھی ہاتھ نہ لگے۔ اُس دن رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہنے، آپؐ کے پاس بیٹھنے سے شرفیاب ہونا اور روحوں کو غذا، جانوں کو ذوق و صفا دینے والے آپؐ کے جمال کو دیکھنا نصیب ہوا تھا۔ اُس دن کے شَرف اور قیمت کو بیان کرنے کے لئے آپؓ نے؛ (ایک ایسا دن تھا کہ۔۔۔) کہہ کر اپنی بات شروع کی تھی۔ جبرائیلؑ کو انسان کی شکل میں دیکھنے، اُس کی آواز سننے، اورایسی معلومات کو کہ جس کے تمام انسان محتاج ہوں، نہایت شائستگی اور وضاحت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے سننے کو نصیب کرنے والے دن سے بڑھ کر شرف والا اور گراں قدر بھلا کوئی اور دن ہو سکتا ہے؟

(اُس وقت، ایک ایسی ذات ہمارے پاس تشریف لائی جیسے چاند نکل آیا ہو۔ اُس کا لباس بہت سفید، بال سیاہ کالے تھے۔ اُس پر دھول، مٹی یاپسینے جیسی کوئی سفر کی علامت نظر نہ آتی تھی۔ ہم لوگوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اُسے جانتا ہو۔ یعنی وہ کوئی ایسا شخص نہ تھا جسے ہم نے پہلے دیکھا ہو۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے گھٹنے، آپؐ کے مبارک گھٹنوں کے ساتھ لگا دیئے۔) یہ آنے والے شخص دَراصل جبرائیلؑ تھے۔ انسان کی شکل میں آئے تھے۔ جبرائیلؑ کا اِس انداز میں بیٹھنا گرچہ اَدب کے منافی نظر آتا تھا، دراصل کسی اہم بات بتانے کے لئے تھا۔ یعنی یہ دکھانے کے لئے تھا کہ دین کا علم سیکھنے کے لئے شرم کرنا ٹھیک نہیں اور اُستاد

کو غرور، تکبر زیبا نہیں دیتا۔ جبرائیلؑ نے اپنی اس حالت سے اصحابِ کرامؓ کو یہ سمجھایا کہ ہر کسی کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ دین کے متعلق کچھ سیکھنے کے لئے، معلّم کو کھل کر اور بلا جھجک سوال کرے۔ کیونکہ دین سیکھنے میں شرم کرنا، اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتے ہوئے تردد کرنا اور سیکھتے یا سکھاتے ہوئے جھجکنا قطعاً ٹھیک نہیں۔

(اُس ذاتؑ نے اپنے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے زَانوئوں پر رکھ دیئے اور کہا، "**یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اِسلام کے متعلق بتایئے!**")

(**اسلام**) کا معنی، لُغت میں سَر تسلیم خَم کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ لفظ اسلام کی وضاحت فرماتے ہوئے اسلام کے پانچ ستونوں کے نام لے کر یوں ارشاد فرمایا:

۱۔ اسلام کی شرائط میں سے پہلی (**کلمہ شہادت پڑھنا ہے**)۔ (کلمہ شہادت پڑھنے کا مطلب؛ "اَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلَه إِلاَّ اللہ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ" کہنا ہے۔ یعنی عقل بالغ کسی شخص کا دل سے اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ (**زمین و آسمان میں اللہ کے سوا عبادت اور پَرستش کے لائق اور کوئی ذات یا شے نہیں ہے۔ حقیقی معبود بس اللہ تعالیٰ ہے**)۔ وہ واجب الوجود ہے۔ ہر طرح کی بڑائی صرف اُسی کے لئے ہے۔ وہ ذاتِ لاقصور ہے۔ اُس کا نام (**اللہ**) ہے ۔ اور اس کے ساتھ اِس بات کا اقرا کرنا بھی مقصود ہے کہ وہ گُل رنگی، سرخ و سفید، چمکدار، حسین چہرے کا مالک، کالی بَھنوؤں اور کالی آنکھوں والا، جس کی مبارک پیشانی کُشادہ، اخلاق اَعلیٰ، ایسے وجود کا مالک کہ جس کا سایہ زمین پر نہ گرے اور شیرین بول بولنے والا، عرب میں، مکّہ میں پیدا ہونے کی نسبت عرب کہلانے والا، ہاشمی اولاد میں سے (**عبداللہ کا بیٹا کہ نامِ نامی محمد ﷺ جس کا، وہ ذاتِ عالیہ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول ہے**)۔ وہ حضرت آمنہ بنت وَہب کا بیٹا ہے۔ [۵۷۱ء اپریل کی ۲۰ تاریخ کو، پیر کی صبح، فجر کے وقت] شہر مکّہ

میں پیدا ہوا۔ چالیس سال کی عمر میں اُنہیں پیغمبری کی خبر دی گئی۔ اس سال کو (**بعثت کا سال**) کہاجاتا ہے۔ اِس کے بعد تیرہ سال تک اُنہوں نے مکہ میں دینِ اسلام کی دعوت دی۔ حکمِ الٰہی سے شہر مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ یہاں آپؐ نے اسلام کو ہر طرف پھیلایا۔ ہجرت کے دس سال بعد یعنی ۶۳۲ء کے ماہ جون میں، ۱۲ربیع الاوّل بروز پیر مدینہ منوّرہ میں وفات پاگئے۔ [تاریخ دانوں کے مطابق مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ۶۲۲ء کے ماہ صفر کی ۲۷ کو بروز جمعرات ہجرت فرمائی اور بوقتِ شام غارِ ثور میں داخل ہوئے۔ پیر کی رات غار سے نکل کر فرنگی کیلنڈر کے مطابق ماہ ستمبر کی ۲۰، رومی کیلنڈر کے مطابق ماہ ستمبر کی ۷، ربیع الاوّل کی ۸ بروز پیر آپؐ نے مدینہ شہر کے قُبا نامی گائوں میں قدم رکھا۔ خوشی کا یہ دن، مسلمانوں کے لئے (**ہجری شمسی**) سال کی شروعات مقرر ہوا۔ اہلِ تشیع کے ہجری شمسی سال کا آغاز اس سے چھ ماہ قبل ہوتا ہے۔ یعنی آتش پرست مجوسی کافروں کی عیدِ نوروز مارچ کی ۲۰ تاریخ سے شروع ہوتا ہے۔ جمعرات کے اُس دن جب رات اوردن مَساوی تھے، آپؐ نے قُبا میں قیام کیا اور جمعہ کے روز وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اُسی دن آپؐ مدینہ شریف تشریف لائے۔ اُس سال کے ماہ محرم کے پہلے دِن کو (**ہجری قمری**)سال کی شروعات قبول کیا گیا۔ اِس قمری سال کا پہلا دن، جولائی کی۱۶ویں تھی اور جمعہ کا دن تھا۔ کسی سنِ عیسوی کے آغاز میں پایا جانے والے ہجری شمسی سال کا حساب لگانے کے لئے اِس سنِ عیسوی سے ۶۲۲ سال نفی کئے جاتے ہیں۔ کسی شمسی ہجری سال کے آغاز میں پایا جانے والے سنِ عیسوی کا حساب لگانے کے لئے اِس شمسی ہجری سال میں ۶۲۱ سال بڑھا دیئے جاتے ہیں]۔

۲۔ اسلام کی شرائط میں سے دوسری، اپنی تمامتر شرائط اور فرائض کے ساتھ روزانہ (**اپنے وقت پر پنجگانہ نماز ادا کرنا ہے**)۔ ہر مسلمان کے لئے اِس بات کا علم ہونا

ضروری ہے کہ اُس پر روزانہ، وقت آنے پر پنجگانہ نماز ادا کرنا اور ہر نماز اُس کے مقرر وقت پر ادا کرنا فرض ہے۔ جاہلوں اور بے مذہبوں کے بیان کردہ اوقات نماز کے مطابق قبل از وقت نماز ادا کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور نماز صحیح نہ ہوگی۔ اِس طرح سے وہ ظہر کی پہلی سنتوں اور مغرب کے فرضوں کی وقتِ کراہت میں اَدائیگی کا سبب بنتے ہیں۔ [نماز کے وقت کا آنا، موٴذن کی اذان سے پتا چلتا ہے۔ کافروں کی، اہلِ بدعت کی پڑھی گئی اور لائوڈ سپیکر جیسی سازو آواز کو **(اذانِ محمدیؐ)** نہیں کہا جا سکتا]۔ نماز کو اُس کے فرائض، واجبات اور سُنّتوں کا خیال رکھتے ہوئے، اوراللہ سے دِلی لو لگائے، وقت قضا ہونے سے پہلے اَدا کرنا چاہیئے۔ قرآنِ کریم میں نماز کو **(صلٰوۃ)** کہا گیا ہے۔ لُغت میں صلٰوۃ سے مراد، انسان کا دعا کرنا، ملائکہ کا استغفار کرنا، اللہ تعالٰی کا مرحمت کرنااور رحم کھانا ہے۔ اسلام کی اصطلاح میں **(صلٰوۃ)** سے مراد دینی کتب میں بیان کردہ شکل میں معین حرکات کرتے ہوئے مخصوص کلمات پڑھنا ہے ۔ نماز پڑھنے کی اِبتدا **(افتتاحی تکبیر)** سے ہوتی ہے۔ یعنی مَردوں کا اپنے دونوں ہاتھ کانوں کی حد تک اُٹھانا اور پھر ناف کے نیچے، جبکہ عورتوں کا اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کی حد تک اُٹھا نا اور پھر اپنے سینے پر باندھتے ہوئے، **(اللہ اکبر)** کہہ کر نماز شروع کی جاتی ہے۔ آخری بار بیٹھنے پر، سر کو دائیں بائیں کندھے کی جانب پھیر کر، سلام کہتے ہوئے نماز ختم کی جاتی ہے۔

۳۔ اسلام کی پانچ شرائط میں سے تیسری، **(مال کی زکوٰۃ ادا کرنا ہے)**۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی، صفائی اور تعریف کرنا، بہتر اور خوبصورت حال میں آجانا مراد ہے۔ اسلام کی اِصطلاح میں زکوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ، احتیاج سے زیادہ اور **(نصاب)** کے نام سے موسوم کردہ مقدار **(مالِ زکوٰۃ)** کا مالک ہر شخص، اپنے مال سے معین مقدار علیحدہ کرکے اُن مسلمانوں کو بغیر احسان جتائے ادا کرے جن کی قرآنِ کریم نے وضاحت کردی

ہے ۔ زکوٰۃ سات قسم کے لوگوں کو دی جاسکتی ہے۔ چار وں مسالک کے مطابق زکوٰۃ کے مال کی چار اقسام ہیں: یہ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ، تجارتی مال کی زکوٰۃ، نصف سال سے زیادہ چراہ گاہ میں چرنے والے چوپائیوں کی زکوٰۃ اور زرعی مال کی زکوٰۃ ہے۔ اس آخری زکوٰۃ کو (عُشر) کا نام دیا گیا ہے۔ زمین سے فصل کٹتے ہی عشر ادا کیا جاتا ہے۔ دیگر تین اقسام زکوٰۃ، مقدارِ نصاب پورا ہونے کے ایک سال بعد اَدا کی جاتی ہیں۔

۴۔ اسلام کی پانچ شرائط میں سے چوتھی (**ماہِ رمضان میں روزانہ روزہ رکھنا ہے**)۔ روزہ رکھنے کو (**صوم**) کہا جاتا ہے۔ صوم کے لغوی معنی، ایک چیز کو دوسری چیز سے بچانا ہے۔ اسلام کی اِصطلاح میں، شرائط کے مطابق، ماہِ رمضان میں، اللہ کا حکم بجا لا کر، روزانہ تین چیزوں سے خود کو بچانا مراد ہے۔ یہ تین چیزیں؛ کھانا، پینا اور جماع ہیں۔ رمضان کا مہینہ، آسمان پر ہلال [نیا چاند] دیکھنے پر شروع ہوتا ہے۔ کیلنڈر پر پہلے سے ہی حساب لگا لینے سے شروع نہیں ہوتا۔

۵۔ اسلام کی پانچ شرائط میں سے پانچویں (**صاحبِ اِستطاعت کا اپنی عمر میں ایک دفعہ حج کرنا ہے**)۔ عافیتِ راہ اور صحتمندی کی حالت میں، اور مکّہ مکرمہ کے شہر جا کر لوٹ آنے تک، اپنے پیچھے چھوڑے بیوی بچوں کی دیکھ بھال کے لئے کافی اور معقول مال کے علاوہ زائد پیسوں سے وہاں جا سکنے کی استطاعت رکھنے والے شخص پر اپنی عمر میں ایک دفعہ، کعبۂ معظمہ کا طواف کرنا اور میدانِ عرفات میں قیام کرنا فرض ہے۔

اُس ذات نے رسول اللہ ﷺ کے یہ جوابات سُن کر عرض کیا، (آپؐ نے سچ فرمایا، یا رسول اللہ ﷺ)۔ حضرت عمرؓ نے، اُس ذات کے متعلق وہاں موجود اصحابِ کرامؓ کی حالتِ تعجب کو بیان فرماتے ہیں۔ کیونکہ خود ہی سوال کرتا اور دیئے گئے جواب کی تصدیق بھی خود کرتا تھا۔ کوئی بات پوچھنے کا مقصد، دراصل نامعلوم چیز کے متعلق

جاننے کی خواہش رکھنا ہی ہے۔ جبکہ ”آپؐ نے سچ فرمایا“ کہنے سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ سب پہلے سے ہی جانتا ہے۔

مندرجہ بالا اسلام کی پانچ شرائط میں سے سب سے اَفضل، **(کلمۂ شہادت)** پڑھنا اور اس کے معانی پر ایمان لانا ہے۔ اس کے بعد اعلیٰ ترین، نماز ادا کرنا ہے۔ اس کے بعد روزہ رکھنا، پھر حج کرنا ہے۔ سب سے آخر میں زکوٰۃ دینا ہے۔ اِتفاق رائے سے کلمۂ شہادت کا سب سے اَفضل ہوناثابت ہے۔ باقی چار کی ترتیب میں علماکی بڑی تعداد اُسی ترتیب کو قبول کرتی ہے جو ہم نے اوپر بیان کردی ہے۔ کلمۂ شہادت، اسلامیت کے اوائل میں سب سے پہلے فرض ہوا۔ نمازِ پنجگانہ، بعثت کے بارہویں سال میں اور ہجرت سے ایک سال اور چند ماہ پہلے وقوع پذیر ہوئی شبِ معراج میں فرض ہوئی۔ رمضان شریف کے روزے، ہجرت کے دوسرے سال ماہِ شعبان میں فرض ہوئے۔ زکوٰۃ کی فرضیت، روزہ فرض ہونے کے سال، ماہِ رمضان میں ہوئی۔ جبکہ حج، ہجرت کے نویں سال میں فرض قرار دیا گیا۔

اگر کوئی شخص اسلام کی ان پانچ شرائط میں سے کسی ایک کا بھی اِنکار کرے، یعنی ایمان نہ رکھے، قبول نہ کرے یا مذاق اُڑائے، تعظیم نہ کرے تو نعوذُ باللہ وہ کافر ہو گا۔ اِسی طرح وہ سب چیزیں جن کے حلال و حرام ہونے کے متعلق کھلی وضاحت اور متفق رائے سے بیان کردیا گیا، اگراِن میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرنے والا، یعنی حلال کو حرام کہنے والا یا حرام کو حلال ماننے والا شخص کافر ہوگا۔ دین میں ضروری معلومات، یعنی وہ دینی باتیں اور معلومات جو ایک اسلامی ملک میں رہنے والے اَن پڑھ لوگ تک سن چکے اورجانتے ہوں، اُن میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرنے والا، یا ناپسند کرنے والا کافر ہوگا۔

[مثلاً، سوّر کا گوشت کھانا، الکحول والے مشروبات پینا، جُوا کھیلنا اور عورتوں اور لڑکیوں کا اپنے سر، بال، بازو اور ٹانگیں کھلی رکھنا، لڑکوں کا ناف سے گھٹنوں تک کے حصے کو کھول کر کسی اور کے سامنے آنا حرام ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ سب حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی وضاحت کرنے والے چار حق مسالک نے مردوں کے ستر، یعنی دیکھنے اور دوسروں کو دکھانے سے ممنوع کردہ حِصّے اور اعضاء کے متعلق متفرق رائے دی ہے۔ ہر مسلمان کا اپنے مَسلک کی تعلیمات کے مطابق ڈھانپنا فرض ہے۔ اِن جگہوں کو دکھانا، دوسروں کی یہ جگہیں دیکھنا حرام ہے۔ (**کیمیائے سعادت**) میں بیان کیا گیا ہے کہ، (عورتوں کا، لڑکیوں کا جیسے کھلے سر، کھلے بال، کھلے بازو اور ٹانگوں سے باہر نکلنا حرام ہے، ایسے ہی پتلے، بھڑکیلے، تنگ، خوشبودار لباس کے ساتھ نکلنا بھی حرام ہے۔ اُن کے اِس حال میں باہر نکلنے کی اجازت دینے والے، رضامندی دکھانے والے، پسند کرنے والے، ماں، باپ، شوہر، بھائی بھی اُن کے گناہ میں اور عذاب میں ساجھی ہوں گے)۔ یعنی جہنم میں اُس کے ساتھ جلیں گے۔ اگر توبہ کرلیں تو، معافی ہو جائے گی، جلنے سے نجات مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ عاقل اور بالغ لڑکیوں اور عورتوں کا اَجنبی مردوں کے ساتھ دکھائی دینے کی ممانعت کا حکم ہجرت کے تیسرے سال سے لاگو کیا گیا۔ فرنگی جاسوس اور اُن کی چال میں پھنسے جاہل لوگوں کی جانب سے پیش کی جانے والی اُن آیات کی روشنی میں جو حجاب کی آیات کے نزول سے پہلے کی ہیں، یہ دھوکہ کھانے سے بچنا چاہیئے کہ حجاب تو بعد کے فقہا کی جانب سے گھڑا گیا ہے۔ خود کو مسلمان کہنے والے شخص کے لئے اِس بات کا علم رکھنا ضروری ہے کہ وہ جو کام کرنے جارہا ہے اسلام کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں جانتا تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی اہلِ سنت

عالم سے دریافت کرکے یا اِن عُلما کی کتابوں سے اِستفادہ کر کے اپنے علم میں لائے۔
اگر کام اسلام کی رو سے مناسب نہیں تو، گناہ یا کفر سے اِس کی نجات ناممکن ہے۔ اُس
کے لئے لازم ہے کہ روزانہ حقیقی توبہ کرے۔ وہ گناہ اور کفر جس پر توبہ کی جائے
ضرور معاف ہوتا ہے۔ اگر توبہ نہ کرے تو دنیا میں اور جہنم میں عذاب چکھے گا یعنی
اپنی سزا بھگتے گا۔ ہماری کتب میں کئی مقامات پر اِن سزاؤں کے متعلق وضاحت پائی
جاتی ہے۔ کبیرہ گناہ کا مرتکب مسلمان، کردہ گناہ کے مطابق جلنے کے بعد جہنم سے
نجات پا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ رکھنے والا وہ کافر جو اسلام کو ختم کرنے کے
درپہ رہا اور زندیق جہنم میں تا اَبد جلتا رہے گا۔ مردوں اور عورتوں کے وجود کی وہ جگہیں
جنہیں نماز کے دوران اور دیگر مقامات پر ڈھانپنا ضروری ہے (سَتر) کہلاتی ہیں۔ سَتر
کھولنا اور غیر کے سَتر کو دیکھنا حرام ہے۔ اسلام میں سَتر نام کی کوئی شے نہیں، کہنے والا
کافر ہوتا ہے۔ بالاجماع، یعنی چاروں مسالک کے مطابق سَتر قرار دیئے گئے وجود کے
حصے کھُولنے اور دوسروں کا سَتر دیکھنے کو حلال کہنے والا، اہمیت نہ دینے والا، یعنی عذاب
سے نہ ڈرنے والا کافر ہوگا۔ عورتوں کا سَتر کھولنا اور مردوں کے ساتھ گانا گانا یا نعتیں
پڑھنا بھی ایسا ہی ہے۔ مردوں کے لئے گھٹنوں سے لے کر دو رانوں کے درمیان تک
کا حصہ حَنبلی مَسلک کے مطابق سَتر نہیں ہے۔ (میں مسلمان ہوں) کہنے والے کے لئے
ضروری ہے کہ وہ، ایمان و اسلام کی شرائط کو جانے اور چاروں مَسالک کی جانب سے
اجماعی، یعنی متفقہ طور پر بیان کردہ فرض اور حرام چیزوں کے متعلق علم حاصل کرکے
اُنہیں اہمیت دے۔ لاعلمی کوئی عذر نہیں ۔ یعنی ایسا ہی ہوگا جیسا کہ جانتے ہوئے بھی
ایمان نہ رکھنا۔ چاروں مسالک کے مطابق، خواتین کے لئے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ
سارا جسم ستر ہے۔ بلا اجماع، یعنی دیگر تین مسالک میں سے کسی ایک کے مطابق سَتر

شمار نہ کی گئی جگہ کو اہمیت نہ دیتے ہوئے کھولنے والا کافر نہ ہو گا، لیکن اپنے مَسلک کے مطابق بڑے گناہ کا مُرتکب ہو گا۔ مَردوں کا گھٹنوں سے دو رانوں کے درمیان تک کا حصہ کھولنا یعنی رانوں کو ننگا کرنا اسی حکم میں آتا ہے۔ اُس چیز کے متعلق علم حاصل کرنا فرض ہے جس کا پتا نہ ہو۔ جب جان لے تو فوراً توبہ کرے اور ڈھانپ لے۔

جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، افترآ، چوری، حیلہ بازی، خیانت، دل توڑنا، فتنہ پردازی، بلا اجازت کسی دوسرے کے مال کا استعمال، مزدور کی مال بردار کی اُجرت ادا نہ کرنا، حکومت کے خلاف بغاوت، یعنی قانون کی خلاف ورزی، امورِ حکومت کی مخالفت، محصول کی عدم ادائیگی بھی گناہ ہے۔ کافروں کے ملک میں رہتے ہوئے، یہ سب کافروں کے خلاف کرنا بھی حرام ہے۔ جاہلوں کاایسی باتیں نہ جاننا کفر نہ ہوگاجو غیر مشہور اور غیر ضروری ہوں اور جاہلوں کے لئے اُنہیں جان لینا ممکن نہ ہو۔ یہ فسق یعنی گناہ ہو گا]۔

- ۴ -

ایمان کے ارکان

(اُس نے پھر سوال کیا، یا رسول اللہ ﷺ! **(مجھے ایمان کے متعلق بتایئے!)**۔ اسلام کے متعلق سوال کرنے اور اس کا جواب موصول ہونے کے بعد جبرائیلؑ نے رسول اکرم ﷺ سے ایمان کی حقیقت اور ماہیت کی وضاحت چاہی۔ ایمان کے لغوی معنی، کسی کا صحیح طور پر قبول کرکے اُس پر یقین کرنا ہے۔ اسلام کی اصطلاح میں ایمان؛ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ماننا اور اللہ کی طرف سے چُنا گیا، خبر دینے والا نبی ہونے کو صحیح طور پر جاننا اور یقین کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجملاً بیان کردہ باتوں پر پورے اجمال کے ساتھ ایمان لانا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مفصلاً بیان کردہ

باتوں پر پوری تفصیل کے ساتھ ایمان لانا اور پوری قوت کے ساتھ، کلمۂ شہادت کو زبان سے بھی ادا کرنا مراد ہے۔ مضبوط ایمان یوں ہے جیسے کوئی آتش کے جلا دینے، سانپ کے زہر سے مارے جانے پر یقین کرتے ہوئے بھاگ جائے۔ بالکل ایسے ہی صِدقِ قلب سے، اللہ تعالیٰ اور اُس کی صفات کو عظیم ترین جانتے ہوئے اُن پر ایمان رکھنا، اُس کی رضا اور جمال کی طرف دوڑنا اور اُس کے غضب سے، عذاب سے دور بھاگنا اورایمان کو گویا سنگِ مرمر پر کندہ تحریر کی مانند مضبوطی سے اپنے قلب پر نقش کرلینا ہے۔

محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا بیان کردہ ایمان اور اسلام ایک ہے۔ کلمۂ شہادت کے معنی پر ایمان لانا، دونوں ہی میں پایا جاتا ہے۔ اگرچہ بعض عمومی اور خصوصی فرق موجود ہے اور لغوی معنی میں پائے جانے والے اس فرق کے باوجود، اسلام میں کسی قسم کی تفریق نہیں ہے۔

ایمان رُکن واحد ہے یا کچھ ارکان کا مرکب ہے؟ اگر مرکب ہے تو کتنے ارکان پر مشتمل ہے؟ اعمال اور عبادات ایمان کا حصہ ہیں یا نہیں؟ میرا ایمان ہے کہتے ہوئے، کیاانشاٗ اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟کیا ایمان میں افراط و تفریط ہوتی ہے؟ کیاایمان مخلوق ہے؟ کیا ایمان لانا انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے؟ کیا مومنین زبردستی ایمان لائے ہیں؟اگر ایمان میں زور یا جبر ہے تو ہر کسی کے ایمان لانے کا حکم کیوں دیا گیاہے؟اِن کو چیدہ چیدہ سمجھانا بہت طویل ہو جائے گا۔ اس لئے ہر ایک کے جواب کو میں یہاں علیحدہ علیحدہ بیان نہیں کروں گا۔ بس اس قدر جان لینا چاہیئے کہ اشعری اور معتزلہ کے مطابق غیر ممکن چیز کے ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر ممکن ہے تو بھی انسانوں کو اُن کی قوت سے بڑھ کر کام کرنے کا حکم کرنا، معتزلہ کے مطابق جائز نہیں ہے۔ جبکہ اشاعرہ کے مطابق یہ جائز ہے۔ لیکن اُس نے کبھی ایسا حکم

نہیں دیا۔ انسان کو ہوا میں اُڑنے کا حکم دینا ایسے ہی ہے۔ ایمان، عبادات اور اعمال میں، اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز نہیں چاہی جو اُس کے بندوں کی قوت سے بڑھ کر ہو۔ اِس لئے، اسلام کی حالت میں پاگل ہوجانے والا، غافل، سونے والا، مرنے والا اس حال میں تصدیق نہ بھی کرے تو بھی وہ اپنے اسلام پر قائم ہے۔

اِس حدیث شریف میں کہا گیا لفظِ ایمان کو لغت کی رو سے نہیں دیکھنا چاہیے، کیونکہ لغت کے مطابق اِس کا معنٰی تصدیق اور قبول کرنا ہے، عرب کے جہلاء میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اِس معنی کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ اور اصحابِ کرامؓ کی تو بات ہی اور ہے، کیسے ممکن ہے کہ وہ اِس معنٰی کو سمجھ نہ سکیں۔ جبرائیلؑ ایمان کا معنٰی اصحابِ کرامؓ کو سکھانا چاہتے تھے۔ اِس لئے اُنہوں نے، رسول اللہ ﷺ سے اسلام کی اصطلاح میں ایمان کسے کہا جاتا ہے، وضاحت کرنے کے لئے سوال فرمایا۔ **(ایمان کا مطلب)**، بذریعہ کشف یا ضمیر کی کھوج سے، یا کسی دلیل سے عقل کا راہ پا جانا، یا کسی چنے گئے، پسندیدہ الفاظ پر اعتبار کرتے ہوئے اور اپناتے ہوئے، خصوصی چھ ارکان پر دل و جان سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار کرنا بھی شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اِن مخصوص چھ ارکان پر یقین کرنے کو ایمان کہا ہے:

۱۔ اِن چھ میں سب سے پہلا رُکن، **اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود اور معبودِ حقیقی ہونے اور ہر مخلوق کے خالق ہونے پر یقین رکھنا ہے۔** اس بات پر کامل یقین رکھنا ضروری ہے کہ عالم دنیا اور عالم آخرت میں پائی جانے والی ہر شے کو، مادے، زمان اور کسی مثال کے بغیر، لاموجود سے وجود میں لانے والی ذات، صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ [ہر مادہ، ایٹم، مالیکیول، عنصر، مرکب، نامیاتی اجسام، خلیہ جات، حیات، موت، ہر عمل، ہر رد عمل، ہر قوت، ہر نوع توانائی، حرکات، قوانین، اَرواح، ملائکہ، جاندار و بے جان ہر

شے کو لاموجود سے تخلیق کرنے والا اور اِن سب کی موجودیت کو ہر آن قائم رکھنے والا صرف وہی ہے۔] سب عالموں میں پائی جانے والی ہر شے کو، [جب کچھ نہ تھا، پل بھر میں] جیسے وہ تخلیق کرتا ہے، [ہر وقت، اِن سب کو ایک دوسرے سے پیدا کرتا ہے۔ وقت قیامت آنے پر، پل بھر میں] بالکل ویسے ہی فنا بھی کردے گا۔ ہر مخلوق کا خالق، اُس کا بنانے والا، اُس کا مالک اور حاکم وہی ہے۔ یہ ایمان رکھنا ضروری ہے کہ اُس کا کوئی حاکم، آمر نہیں اور کوئی اُس سے بڑھ کر نہیں ہے۔ ہر بڑائی، ہر صفتِ کمال بس اُسی کی ہے۔ اُس کی ذات کسی قصور یا صفتِ نقصان سے عاری ہے۔ وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ اُس کا کوئی کام خود اپنے یا دوسروں کو فائدہ مند ہونے کے لئے نہیں۔ وہ یہ سب کام کسی معاوضہ کے عوض نہیں کرتا۔ اِس کے باوجود اُس کے ہر کام حکمتوں، فوائد، لطف و احسانات سے بھرپور ہیں۔

وہ قطعی طور پر مجبور نہیں کہ اپنے بندوں کو وہ دے جو اُن کے لئے بہتر ہو، مفید ہو۔ وہ کسی کو ثواب اور کسی کو عذاب دینے پر مجبور نہیں ہے۔ سب عاصیوں کو، گناہگاروں کو جنت میں بھیج دے تو یہ اُس کا فضل اور احسان ہو گا۔ سب اطاعت کرنے والوں، عبادت گزاروں کو جہنم میں پھینک دے تو یہ اُس کی عدالت کے عین مطابق ہی ہو گا۔ لیکن اُس نے، مسلمانوں کو اور عبادت گزاروں کو جنت میں بھیجنے، اُنہیں لامتناہی نعمتیں اور اکرام نوازنے، جبکہ کافروں کو ہمیشہ کے لئے جہنم رسید کرکے عذاب دینے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ اپنے وعدے سے منحرف نہیں ہوتا۔ سب جاندار ایمان لے آئیں، اطاعت کریں تو بھی اُسے اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ سارا عالم کافر یا گمراہ ہو جائے، حد سے تجاوز کرجائے یا مخالفت پر اُتر آئے، اُس کی ذات کو کوئی نقصان نہیں۔ بندہ کوئی کام کرنا چاہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو تو وہ کام بن جاتا ہے۔ اپنے سب بندوں

کی ہر ہر حرکت کو اور ہر ہر شے کو بنانے والی ذات وہی ہے۔ اُس کی مرضی نہ ہو اور وہ کام نہ بنائے تو کوئی شے حرکت تک نہ کر پائے۔ وہ اگر نہ چاہے تو کوئی کافر نہیں ہو سکتا۔ کوئی عصیان کار نہیں ہو سکتا۔ کفر اور گناہ اُن کے مرضی سے پیدا ہونے کے باوجود، وہ اِن سے راضی نہیں۔ کوئی اُس کے کاموں میں دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ کسی کو حق اور قدرت حاصل نہیں جو کہہ سکے کہ اُس نے ایسا کیوں کیا۔ اللہ اگر ایسا کرتا تو، یا اسباب کے متعلق کوئی سوال کر سکے۔ شِرک اور کفر کے علاوہ، توبہ کئے بغیر مر جانے والے کسی کبیرہ گناہ کے مرتکب شخص کو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو معاف فرما دے۔ اگر چاہے تو ایک چھوٹے سے گناہ کی پاداش عذاب دے دے۔ اُس کا ارشاد ہے کہ وہ، کافر اور مرتد ہو کر مرنے والوں کو کبھی معاف نہ کرے گا، اُنہیں تا اَبد عذاب دے گا۔

وہ جو مسلمان ہیں یعنی (**اَہل قبلہ**) ہیں، عبادت کرتے ہیں، لیکن اُن کا اعتقاد (**اہلِ سنت**) کے اعتقاد کے مطابق نہیں اور توبہ کئے بغیر مر جاتے ہیں، تو اُنہیں جہنم میں عذاب دیئے جانے کے باوجود، ایسے (**اہل بدعت**) مسلمان جہنم میں تا اَبد نہیں رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کو دنیا میں دنیاوی آنکھ سے دیکھنا جائز ہے۔ لیکن، کسی نے دیکھا نہیں۔ وہ، روزِ قیامت محشر میں، کافروں اور گنہگار مسلمانوں کو اپنے قہر اور جلال کے ساتھ؛ جبکہ صالح مسلمانوں کو اپنے لُطف اور جمال کے ساتھ نظر آئے گا۔ مومنین جنت میں اُسے صفت جمال کے ساتھ دیکھیں گے۔ ملائکہ اور خواتین بھی دیکھیں گی۔ کفار، اس سے محروم رہیں گے۔ جنات کے محروم رہنے کے متعلق دی جانے والی خبر بھی بہت مضبوط ہے۔ علماً کی اکثریت کے مطابق، (مومنین میں مقبول لوگوں کو ہر صبح اور ہر شام، نیچے کے درجہ والے ہر جمعہ کے دن اور عورتیں دنیا کی عید کی طرح سال میں

چند بار تجلّی جمال اور رویت سے مشرف ہونگیں)۔

[حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ[1] اپنی فارسی کتاب (**تکمیل الایمان**) میں بیان فرماتے ہیں: حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ، (**روزِ قیامت تم اپنے ربّ کویوں دیکھو گے جیسے چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہو!**)۔ جیسے اللہ تعالیٰ دنیا میں بلا سمجھے جانا جاتا ہے ویسے ہی آخرت میں بھی بلا سمجھے دکھائی دے گا۔ امام ابوالحسن اشعریؒ، امام سیوطیؒ اور امام بیہقی ؒ جیسے عظیم علمأ کے مطابق جنت میں ملائکہ بھی اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ اور دیگر علمأ کے مطابق، جنات کو ثواب نہیں ملے گا اور جنت میں داخل نہیں ہونگے، البتہ مومن جنات کو جہنم سے نجات حاصل ہوگی۔ عورتیں، دنیا میں عید کے دنوں کی طرح سال میں چند ایک بار اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گی۔ مومنین میں سے وہ جو کامل ہیں، ہر صبح اور شام، جبکہ دیگر مومنین بروز جمعہ زیارت سے شرفیاب ہونگے۔ اس فقیر کے مطابق مومن خواتین اور ملائکہ اور جنات بھی اس مژدے میں داخل ہیں۔ حضرت فاطمۃ الزہرۃ، حضرت خدیجۃُ الکبریٰ، حضرت عائشہ صدیقہ، دیگر ازواج مطہرات، حضرت مریم اور حضرت آسیہ "رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُنَّ اَجْمَعِینَ" جیسی کاملہ اور عارفہ خواتین کو دیگر خواتین سے مستثنأ رکھنا بہتر ہوگا۔ امام سیوطیؒ کا اشارہ بھی اسی جانب ہے۔]

انسان کو، اللہ تعالیٰ کی رویت پر ایمان رکھنا چاہیئے، یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ رویت کیسے ہوگی؟ کیونکہ عقل، اللہ تعالیٰ کے کاموں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ یہ دنیاوی کاموں جیسے نہیں۔ [اسے طبیعی اور کیمیاوی علوم سے ماپنا ممکن نہیں۔]اللہ تعالیٰ کے لئے کسی جہت کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ، مادہ نہیں ہے۔ جسم نہیں ہے۔ [عنصر

---

(۱) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ۱۰۵۲ھ [۱۶۴۲ء] دہلی میں وفات پائی۔

نہیں ہے۔ آمیزہ یا مرکب نہیں ہے۔] وہ گنا نہیں جا تا۔ ماپا نہیں جاتا۔ اُسکا حساب نہیں لگایا جاتا۔ اُس میں تبدیلی نہیں ہو تی۔ وہ لا مکان ہے۔ وہ کسی خاص جگہ پر موجود نہیں۔ وہ وقت کی قید میں نہیں۔ اُس کے لئے پہلے بعد میں، آگے پیچھے، اوپر نیچے، دائیں بائیں نہیں ہے۔ اسی لئے انسانی سوچ، انسانی علم، انسانی عقل، اُس ذات کے کسی بھی پہلو کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ یہ سمجھنا بھی اسی لئے ممکن نہیں ہے کہ اُسکی رویت کیسے ہوگی؟ ہاتھ، پائوں، جہت، جگہ اور اللہ تعالیٰ کے لئے جائز شمار نہ کئے جانے والے دیگر کلمات کا آیات کریمہ اور احادیث شریف میں پایا جانا، ان معنٰی میں نہیں ہے جو ہم آج سمجھتے ہیں۔ ایسی آیات کریمہ اور احادیث شریفہ کو **(متشابہات)** کہا جاتا ہے۔ اِن پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن کیاہے اور کیسے ہے، سمجھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ یا اِن کی مختصر یا تفصیلی **(تاویل)** کی جاتی ہے۔ یعنی اِن کو، اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان دوسرے معنی دیئے جاتے ہیں۔ جیسے، ہاتھ کے لئے قدرت، قوت کہا جانا۔

محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو معراج پر دیکھا۔ آپؐ کا یہ دیکھنا، دنیاوی آنکھ سے دیکھنے جیسا نہیں تھا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کو دنیا میں دیکھا ہے تو وہ زندیق ہے۔ اولیأ ''قَدَّسَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَسْرَارَہُمْ اَجْمَعِیْن'' کا اللہ کو دیکھنا، دنیا اور آخرت میں دیکھنے کی مانند نہیں ہے۔ یعنی **(رویت)** نہیں ہے۔ اُنہیں **(شہود)** حاصل ہوتا ہے۔ [یعنی وہ قلب کی نگاہ سے، مثال کو دیکھتے ہیں۔]میں نے دیکھا کہنے والے اولیأ کرام بھی گزرے ہیں لیکن وہ سکر کی حالت میں، یعنی ایسی حالت میں کہ جب اُن کی عقل قائم نہ تھی، شہود کو رویت سمجھے ہیں۔ یا پھر اُن کے الفاظ تاویل پر مبنی ہیں تاکہ اُن کی بات سمجھی جا سکے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کو دنیا میں دنیاوی آنکھ سے دیکھنا جائز ہے، اُس کے متعلق اوپر

بیان گزر چکا ہے۔ اگر ایسا ہے تو جائز شے کے حصول کا دعویٰ کرنے والا زندیق کیوں ہوا؟ وقوع پذیر ہونے کا دعویٰ کرنے والا اگر کافر ہو جاتا ہے تو اس شے کو جائز کیسے کہا جا سکتا ہے؟

جواب: لغت میں جائز کا معنی، ایسی بات ہے جس کا ہونا بھی موزوں ہو، نہ ہونا بھی موزوں ہو۔ لیکن اشعری[1] مسلک کی رُو سے، رویت کے جائز ہوناکا مطلب یہ ہے کہ، اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اس دنیا میں قریب ہونے، سامنے آنے اور دنیا میں اُس کے تخلیق کردہ طبیعی قوانین کے علاوہ انسان میں دیکھنے کی بالکل مختلف قوت پیدا فرما دے۔ مثلاً، وہ اس بات پر قادر ہے اور یہ جائز بھی ہے کہ چین میں کسی اندھے کو اندلس میں ایک مچھر دکھا دے یادنیا کے کسی انسان کو چاند اور ستاروں پر موجود چیزیں دکھا دے۔ ایسی قوت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ دوسرا، یہ کہنا کہ میں نے دنیا میں دیکھا ہے، آیاتِ کریمہ اور علمأ کے متفقہ اقوال کی رُو سے موزوں نہیں ہے۔ اِس لئے، ایسے الفاظ کہنے والا (**ملحد**) یا (**زندیق**) ہے۔ تیسرے جواب کے طور پر ہم کہتے ہیں کہ، دنیا میں رویت کے جائز ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کودنیا میں طبیعی قوانین سے دیکھنا جائز ہے۔ جبکہ کوئی شخص جب کہتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، تو اُس کے بقول اُسکا دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے وہ دیگر اشیأکو دیکھتا ہے۔ جبکہ یہ دیکھنا ایسا ہے جو جائز نہیں۔ کفر کا سبب بننے والے ایسے الفاظ کہنے والا شخص ملحد یا زندیق کہلاتا ہے۔ [حضرت مولانا خالد]، اِن جوابات کے بعد کہتے ہیں (**محتاط رہیئے!**)۔ اِس کے ساتھ، دوسرے جواب کے زیادہ موزوں ہونے کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ [(**ملحد**) اور (**زندیق**) خود کو مسلمان کہتا ہے۔ (**ملحد**) اپنے قول

---

(١) ابو الحسن علی بن اسمٰعیل اشعری، ٣٣٠ھ [٩٤١ء] بغداد میں وفات پائی۔

میں صمیمی ہے۔ وہ خود کے مسلمان ہونے، سیدھے راستے پر ہونے پر ایمان رکھتا ہے۔ جبکہ (زندیق) دشمن اسلام ہے۔ وہ اسلامیت کو اندر سے مٹانے، مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے مسلمان کا روپ دھارے ہے۔]

اللہ تعالیٰ کے لئے دن، رات اور وقت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے، کسی طور، کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہ ہونے کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ماضی میں، مستقبل میں وہ ایسا تھا یا ایسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا۔ کسی چیز کے ساتھ نہیں ملتا۔ [اللہ تعالیٰ، حضرت علیؓ میں حلول کر گیا تھا، کہنے والا شیعوں کا نصیری نامی فرقہ کافر ہوگیا۔] اللہ تعالیٰ کا کوئی متضاد، اُلٹ، مثل، شریک، مددگار، حفاظت کرنے والا نہیں ہے۔ اُس کا کوئی ماں، باپ، بیٹا، بیٹی یا ساتھی نہیں ہے۔ وہ ہر وقت، سب سے بڑھ کر حاضر اور ہر شے پر محیط اور ناظر ہے۔ وہ ہر کسی کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ لیکن حاضر ہونے، محیط ہونے، ساتھ اور قریب ہونے کا مطلب قطعا وہ نہیں جو ہمیں سمجھ آتی ہے۔ اُس کا قرب، علماً کے علم، ماہر فنون کی عقل سے اور اولیاً ''قَدَّسَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَسْرَارَہُمْ اَجْمَعِیْن'' کے کَشف اور شہود سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ اِن کی اصل حالت کو انسانی عقل ہرگز سمجھ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں اور صفات میں واحدہے، کسی ایک میں کوئی فرق یا تبدیلی نہیں آتی۔ تَفَكَّرُوا فِي آلاَءِ اللهِ وَلاَ تَفكَّرُوا فِي ذَاتِ اللهِ۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء (توقیفی) ہیں۔ یعنی، اسلامیت میں بیان کردہ اسماء سے پکارنا جائز ہے، اِن کے علاوہ کسی اور نام سے پکارنا جائز نہیں ہے۔ [مثلا، اللہ تعالیٰ کو عالم کہا جاتا ہے۔ عالم کے معنی فقیہہ کے ہیں لیکن اُسے کے لئے یہ نام استعمال کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ، اسلامیت نے اللہ تعالیٰ کو فقیہہ نہیں کہا۔ اسی طرح، نام اللہ کی بجائے، دیوتا کہنا

جائز نہیں ہے۔ کیونکہ دیوتا، اِلٰہ، معبود کا معنی رکھتا ہے۔ مثلاً ہندوؤں کے لئے گائے ایک دیوتا ہے۔ (اللہ ایک ہے اور اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں) کہا جا سکتا ہے۔ دیگر زبانوں میں کہے جانے والے Dieu, Gott, God کے کلمات بھی معبود کے معنی میں استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن نام اللہ کی جگہ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔]

اللہ تعالیٰ کے نام لامتناہی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اُس کے ایک ہزار ایک نام ہیں۔ یعنی، اُس کے ناموں میں سے ایک ہزار ایک نام انسانوں کو بتائے گئے ہیں۔ محمد ﷺ کے دین میں، اِن میں سے ننانوے نام بتائے گئے ہیں۔ انہیں **(اسماء حسنی)** کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی **(صفاتِ ذاتیہ)** چھ ہیں۔ [وہ اُوپر بیان کر دی گئی ہیں۔] **(ماتریدیہ)** مسلک کے مطابق، اللہ کی **(صفاتِ ثبوتیہ)** آٹھ ہیں۔ **(اشعری)** مسلک کے مطابق یہ سات ہیں۔ یہ صفات، اُس کی ذات ہی کی طرح اَزلی اور اَبدی ہیں۔ یعنی لامتناہی ہیں۔ مقدس ہیں۔ مخلوق کی صفات جیسی نہیں ہیں۔ عقل کو استعمال کرتے ہوئے، ظن کے ساتھ کام لیتے ہوئے اور دنیا کی مخلوقات کی صفات سے مشابہت دیتے ہوئے، اِنہیں سمجھا نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر صفت میں سے ایک ایک مثال انسانوں کو احسان فرمادیں۔ اِنہیں دیکھ کر، اللہ تعالیٰ کی صفات قدرے سمجھی جا سکتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو سمجھ لینا، انسان کے لئے ممکن نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کی ذات پر غور و فکر کرنے کی کوشش کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آٹھ صفات ثبوتیہ، عینِ ذات بھی نہیں اور غیر ذات بھی نہیں۔ یعنی اُس کی صفات، ذات کا حصہ نہیں ہیں۔ ذات سے علاوہ بھی نہیں ہیں۔ یہ آٹھ صفات :

حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، کلام، ارادہ اور تکوین ہیں۔ اشاعرہ کے مطابق صفت تکوین اور صفت قدرت ایک ہی ہے۔ مشیت سے مراد ارادہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ

کی اِن آٹھ صفات میں سے ہر ایک بنیادی ہے، ایک حال میں ہے۔ کسی میں، کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی۔ لیکن مخلوقات سے تعلق کے اعتبار سے ہر ایک صفت بہت زیادہ ہے۔ کسی صفت کا مخلوقات سے تعلق اور اثر کے اعتبار سے بہت زیادہ ہونے سے، اُس کے بنیادی ہونے میں کوئی حرف نہیں۔ ایسے ہی، اللہ تعالیٰ نے، اس قدر مخلوقات بنائی اور سب کو، ہر آن، فنا ہونے سے بچاتا ہے۔ لیکن وہ پھر بھی واحد ہے۔ اُس کی ذات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ہر مخلوق، ہر آن، ہر لحاظ سے اُس کی محتاج ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔

۲۔ ایمان کے لئے لازمی اِن چھ ارکان میں سے دوسرا: **(اُس کے فرشتوں پر ایمان لاناہے)**۔ لفظ مَلَک ؛قاصد، خبر دینے والا اور یا پھر قوت کے معنی رکھتا ہے۔ فرشتے، وجود ہیں۔ لطیف ہیں۔ گیس کی حالت سے بھی زیادہ لطیف ہیں۔ نورانی ہیں۔ زندہ ہیںاور صاحبِ عقل ہیں۔ بُرائیاں جو انسان کا خاصہ ہیں، فرشتوں میں نہیں پائی جاتیں۔ ہر شکل میں ڈھل سکتے ہیں۔ ہوا، مائع اور ٹھوس کی مثل، ٹھوس حالت میں کوئی شکل اپنا لیتے ہیں، فرشتے بھی خوبصورت شکلوں میں ڈھل سکتے ہیں۔ فرشتے وہ روحیں نہیں ہیں جو عظیم لوگوں کے بدن سے جُدا ہوئی ہوں۔ عیسائی، فرشتوں کو ایسی ہی روح تصور کرتے ہیں۔ وہ توانائی، قوت کی طرح کی بے مادہ بھی نہیں ہیں۔ قدیم فلاسفہ کی ایک قسم اِنہیں ایسے خیال کرتی تھی۔ اِن سب کو **(ملائکہ)** کہا جاتا ہے۔ ملائکہ ہر جاندارسے پہلے تخلیق کئے گئے ۔ اِسی لئے کتابوں پر ایمان لانے سے پہلے ملائکہ پر ایمان لانا ارشاد ہوا۔ اور کتابیں، پیغمبروں سے پہلے بیان کی گئیں۔ قرآنِ کریم میں بھی، ایمان لائی جانے والی چیزوں کے نام، اسی ترتیب سے ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ ملائکہ پر ایمان یوں ہونا چاہیئے: ملائکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے غلام ہیں۔ اُس کے شریک

نہیں ہیں۔ اُس کی بیٹیاں نہیں ہیں۔ کفار اور مشرکین نے اُنہیں ایسا تصور کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام ملائکہ کو پسند فرماتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے۔ انہیں دیئے گئے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ وہ نر اور مادہ نہیں ہیں۔ وہ ازدواج نہیں کرتے۔ اُن کے بچے نہیں ہوتے۔ وہ صاحب حیات ہیں اور زندہ ہیں۔ عبداللہ ابن مسعودؓ سے کی گئی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ، ملائکہ میں سے کچھ کے بچے ہوتے ہیں، ابلیس اور جنات انہی میں سے ہیں ۔ لیکن اس کا جواب کتابوں میں طویل وضاحت کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بتایا کہ وہ آدمؑی تخلیق کرے گا تو، اس پر ملائکہ کے(یا ربی ! کیا تم، زمین پر فساد پھیلانے اور خونریزی کرنے والی مخلوق کی تخلیق کرنا چاہتے ہو؟ جیسے (زلّہ) کہہ کر تعبیر کئے گئے سوالات بھی، اُن کی معصومیت، بے گناہی میں قطعا کوئی کمی نہیں لاتے۔

سب سے زیادہ تعداد میں تخلیق کی گئی مخلوق، ملائکہ ہیں۔ ان کی تعداد، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ آسمانوں میں کوئی جگہ باقی نہیں جہاں ملائکہ عبادت نہ کرتے ہوں۔ آسمانوں میں ہر جگہ، رکوع یا سجدہ کی حالت میں عبادت کرنے والے ملائکہ سے بھری پڑی ہے۔ آسمانوں میں، زمینوں میں، نباتات میں، ستاروں میں، جانداروں میں، بے جانوں میں، بارش کے قطروں میں، درختوں کے پتوں میں، ہر مالیکیول میں، ہر جوہر میں، ہر رد عمل میں، ہر حرکت میں، الغرض ہر شے میں ملائکہ اپنے وظیفہ پر متعین ہیں۔ وہ ہر جگہ پر اللہ تعالیٰ کے احکام بروئے کار لاتے ہیں ۔ وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوقات کے درمیان واسطہ ہیں۔ بعض ملائکہ دیگر ملائکہ کے آمر ہیں۔ بعض ملائکہ، پیغمبروں کو پیغام لاتے تھے۔ بعض ملائکہ، انسانوں کے دلوں میں اچھے خیالات ڈالتے ہیں کہ اس کا نام (اِلھام) ہے۔ بعض ایسے بھی ہیں جنہیں انسانوں اور

دیگر مخلوقات کے متعلق خبر تک نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کے سامنے خود سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ ملائکہ کی اپنی اپنی خاص جگہیں ہے، وہ وہاں سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتے۔ بعض کے دو، بعض کے چار اور بعض کے کئی ایک پر ہیں۔ [جیسے حیوانات کے اور پرندوں کے پروں کی اپنی مخصوص شکل ہے اور ایک دوسرے سے مشابہہ نہیں، ایسے ہی ملائکہ کے پر بھی اپنی جنس کی حد تک مخصوص ہیں۔ انسان کسی ان دیکھی، انجانی شے کا نام سن کر گمان کرتا ہے کہ وہ اُسے جانتا ہے اور یوں فریب کھا جاتا ہے۔ ملائکہ کے پر ہوتے ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے ہیں ہم نہیں جانتے۔ کلیسائوں میں، بعض مجموعہ جات میں اور بعض فلموں میں ملائکہ کے طور پر دکھلائی گئی پروں والی عورتوں کی تصاویر تخیلاتی ہیں۔ مسلمان ایسی تصویر نہیں بناتے۔ اور غیر مسلمانوں کی بنائی ان تخیلاتی تصاویر کو صحیح قبول کرکے قطعا فریب نہیں کھانا چاہیئے۔]جنت کے ملائکہ، جنت میں ہوتے ہیں۔ اِن کے سردار کا نام (**رضوان**) ہے۔ جہنم کے ملائکہ (**زبانیہ**) ہیں۔ وہ جہنم میں، اُنہیں دیئے گئے وظیفہ پورا کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ جہنم کی آتش اُن پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ جیسے سمندر مچھلی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ جہنم کے اُنیس بڑے زبانیہ ہیں۔ اِن کے سردار کا نام (**مالک**) ہے۔ ہر انسان کی نیکیاں، برائیاں اور تمام اعمال لکھنے کے لئے دو رات میں اور دو دن میں آنے والے چار ملائکہ کو(**کراما کاتبین**) یا (**حفظہ**) کہا جاتا ہے۔ کچھ بیانات میں حافظہ فرشتوں کا ان سے مختلف ہونے کے متعلق بھی کہا گیاہے ۔ دائیں طرف والا فرشتہ، بائیں طرف کے فرشتے کا آمر ہے اور اچھے اعمال اور عبادات کو تحریر کرتا ہے۔ بائیں جانب والا برائیاں لکھنے پر مامور ہے۔ قبر میں، کافروں اور گنہگار مسلمانوں کو عذاب دینے والے اور سوال کرنے والے فرشتے بھی ہیں۔ سوال کرنے والے فرشتے (**منکر اور نکیر**) کہلاتے ہیں ۔ مومنین

کو سوال کرنے والوں کو (**مبشر اور بشیر**) بھی کہتے ہیں۔

کچھ ملائکہ کی دوسرے ملائکہ پر فوقیت پائی جاتی ہے۔ چار فرشتے بڑے ہیں۔ ان میں پہلے (**جبرائیلؑ**) ہیں۔ آپؑ کو پیغمبروں پر (**وحی**) لانے، اوامر اور نواہی بتانے پر فائز کیا گیا ہے۔ دوسرے (**اسرافیلؑ**) ہیں جو (**صور**) نام کا ایک بگل پھونکیں گے۔ آپؑ صور دو دفعہ پھونکیں گے۔ پہلی بار میں، اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ذی روح پر موت طاری ہو جائے گی۔ دوسری بار، سب دوبارہ جی اُٹھیں گے۔ تیسرے فرشتے (**میکائیلؑ**) ہیں۔ ارزانی، مہنگائی، قحط، فراخی، [اقتصادی نظام] کے قیام، [رفاہ اور حضور] لانے اور ہر مادے کو حرکت کرانے پر فائز ہیں۔ چوتھے فرشتے (**عزرائیلؑ**) ہیں۔ انسانوں کی ارواح کو قبض کرنے والے یہی ہیں۔ [فارسی زبان میں روح کو جان کہا جاتا ہے]۔ ان چار ملائکہ کے بعد بڑے فرشتوں کی چار درجہ بندی ہے: (**حاملان عرش**) کہلائے جانے والے فرشتوں کی تعداد چار ہے۔ قیامت کے روز یہ آٹھ ہونگے۔ اللہ کے حضور میں موجود ملائکہ (**مقربین**) کہلاتے ہیں۔ عذاب کے بڑے فرشتوں کو (**کرّوبیون**) کہا جاتا ہے۔ رحمت کے فرشتوں کو (**روحانیون**) نام دیا جاتا ہے۔ یہ سب خاص ملائکہ ہیں یعنی انہیں دیگر جملہ ملائکہ پر عظمت حاصل ہے۔ یہ ملائکہ، پیغمبران "**عَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسلِيمَاتْ**" کے علاوہ سب انسانوں سے زیادہ عظمت کے حامل ہیں۔ مسلمانوں کے صلحأاور اولیأ، عام ملائکہ یعنی نچلے درجے کے فرشتوں سے افضل اورصاحبِ عظمت ہیں۔ عام ملائکہ، مسلمانوں کے عوام یعنی عاصی اور فاسق لوگوں سے افضل ہیں۔

جبکہ کفار، سب مخلوقات سے کم تر ہیں۔ پہلا صور پھونکنے پر چار بڑے ملائکہ اور حاملانِ عرش کے علاوہ سب فرشتے ختم ہو جائیں گے۔ بعدمیں، حاملانِ عرش اور اُن کے بعد چار بڑے فرشتے بھی ختم ہو جائیں گے۔ دوسرا صور پھونکنے پرسب سے پہلے سب

ملائکہ زندہ کر دیئے جائیں گے۔ اس دوسرے صور پر سب ملائکہ سے پہلے حاملانِ عرش اور یہ چار بڑے ملائکہ زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ یعنی، جیسے اِن ملائکہ کو سب جانداروں سے پہلے تخلیق کیا گیا، ایسے ہی اِنہیں سب جانداروں کے بعد ختم کیا جائے گا۔

۳۔ ایمان کے لئے لازمی اِن چھ ارکان میں سے تیسرا:(**اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانا ہے**)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کتابیں، فرشتے کی وساطت سے، بعض پیغمبروں کے مبارک کانوں میں سرگوشی سے، بعض کو تختیوں پر لکھ کر، جبکہ بعض کو کسی فرشتے کے بغیر، آواز سُنوا کر نازل فرمائیں۔ یہ سب کتابیں کلام اللہ ہیں۔ اَبدی اور اَزلی ہیں۔ یہ مخلوق نہیں ہیں۔ یہ ملائکہ کا یا انبیاؑ کا اپنا کلام نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ایسا نہیں، جیسا کلام ہم لکھتے ہیں، اپنے ذہن میں رکھتے ہیں یا گفتگو کرتے ہیں۔ اس سے ایسا کلام مراد نہیں جو تحریر، گفتگو، یا کسی ذہن کا مرہونِ منت ہو۔ اس سے حرف اور آوازمراد نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کی صفات کو انسان کے لئے سمجھنا ممکن نہیں۔ لیکن، انسان اُس کے کلام کو پڑھتا ہے۔ ذہن میں چھپایا جاتا ہے اور لکھا جاتا ہے۔ ہمارے ساتھ وہ حدیث ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام، انسانوں کے ساتھ ہو تو مخلوق اور حدیث ہوتا ہے۔ لیکن اللہ کے کلام کے طور پر سوچیں تو، قدیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ سب کتابیں حق ہیں، سچی ہیں۔ جھوٹی یا غلط نہیں ہو سکتیں۔ میں سزا اورعذاب دوں گا کہہ کر اور معاف کردینے کوجائز قرار دینے کے باوجود یہ اُس ذات کے ارادے اورخواہش جیسی ایسی شرطوںپر مبنی ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے۔ یا پھریوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے بندے کو اُس عذاب سے معاف فرما دیتا ہے جس کا وہ مستحق ہے۔ سزا اور عذاب کی خبر دینے والا کلام، کوئی خبر دینے کے لئے نہیں کہ، عفو و درگزر سے جھوٹا قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی وعدکردہ نعمتیں عطا نہ کرنا

جائزنہ بھی ہو تو، عذابوں کو معاف کردینا جائز ہے۔ عقل بھی اور آیاتِ کریمہ بھی ایسا ہی کہتی ہیں۔ کوئی مانع، کوئی تامل نہ ہو تو، آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کی وضاحت کرتے ہوئے بھرپور اور قابلِ فہم معنی دینا ضروری ہے۔ اِن سے ملتے جلتے یا کوئی اور معنی دینا جائز نہیں۔ [قرآن کریم اور احادیث شریف، قریش کی لغت اور لہجہ میں ہے۔ کلمات کو چودہ سو سال پہلے کے حجاز میں استعمال کئے جانے والے معنی دینا ضروری ہیں۔ وقت کے ساتھ، تبدیل ہوکر، آج کل استعمال کئے جانے والے معنی دینا صحیح نہیں۔] (**متشابہات**) کہلانے والی آیاتِ کریمہ میں، ناقابلِ فہم پوشیدہ معنی پائے جاتے ہیں۔ اِن کے معانی، صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور (**علم لدُنی**) سے نوازی گئی چند عظیم شخصیات بس اُس قدر ہی سمجھ سکتی ہیں جتنا اُنہیں سمجھا دیا گیا۔ اُن کے علاوہ کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ اسی لئے، ایمان رکھنا چاہیئے کہ متشابہ آیات اللہ کا کلام ہے اور اِن کے معانی کی جستجو نہیں کرنا چاہیئے۔ اَشعری فکر کے علمأ کے مطابق ایسی آیات کی مختصر یا وضاحتی (**تاویل**) کرنا جائز ہے۔ تاویل، کسی لفظ کے مختلف معانی میں سے ایسا معنی چننا مراد ہے جو مشہور نہ ہوں۔ مثلا سورۃ اِسریٰ کی آیت کریمہ (**اللہ کا ہاتھ، اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہے**) اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ ہمیں یہ کہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے جو مراد لیا ہے بس میں ویسے ہی ایمان رکھتا ہوں۔ اِس کے معنی میرے لئے قابلِ فہم نہیں، بس اللہ تعالیٰ ہی اِس کا علم رکھتا ہے، یہی سب سے صحیح راستہ ہے۔ یا یہ کہ، اللہ کا علم ہمارے علم جیسا نہیں۔ اُس کا ارادہ ہمارے ارادے سے مماثل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھی انسانوں کے ہاتھوں سا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کُتب میں، بعض آیات کے پڑھنے، یا صرف معانی یا پھر دونوں ایک ساتھ (**نسخ**) کردی گئیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبدیل کر دی گئی

ہیں۔ قرآنِ کریم نے سب کتب کو نسخ کردیا، اُن کے صادراحکامات کو اُٹھا دیا ہے۔ قرآنِ کریم میں، تا قیامت یا کبھی بھی، کوئی غلطی، بھول، کمی یا بیشی ہونا ممکن نہیں۔ ماضی اور مستقبل کے تمام علوم قرآنِ کریم میں پائے جاتے ہیں۔ اِس لئے، یہ سب سماوی کتب سے برتر اور عظمت کا حامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے۔ تمام اِنس و جن ایک ساتھ مل کر، قرآنِ کریم کی سب سے چھوٹی سورت کی مثل کوئی کلام کہناچاہیں اور اس کے لئے خوب محنت کریں، تو بھی کامیاب نہ ہوپائیں گے۔ عرب کے بلیغ، ادیب، فصیح شعرأ اکٹھے ہوئے۔ بہت سوچ بچار کی۔ ایک چھوٹی سی آیت کے مثل کوئی کلام کہنے سے قاصر رہے۔ قرآنِ کریم کے سامنے جَم نہ سکے۔ ششدر رہ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ اسلام کو، قرآنِ کریم کے سامنے عاجز ومغلوب کردیا۔ قرآنِ کریم کی بلاغت، قوتِ انسانی سے بالاتر ہے۔ اِنسان اِس جیسا کلام کہنے سے عاجز رہ جاتا ہے۔ قرآنِ کریم کی آیات، انسان کی کہی نظموں، بے وزن کی نثر، باقافیہ اشعار سے قطعی مماثلت نہیں رکھتیں۔ اس کے باوجود، عربی ادبأ کے استعمال کردہ الفاظ میں نازل فرمایا گیا ہے۔

سماوی کتب میں سے ایک سو چار کے متعلق ہمیں خبر دی گئی ہے۔ مشہور صحائف میں سے دس (**حضرت آدمؑ**)، پچاس صحائف (**حضرت شیثؑ**)، تیس صحائف (**حضرت ادریسؑ**)، دس صحائف (**حضرت ابراہیمؑ**) پر نازل فرمائے گئے۔ کتاب (**تورات**) حضرت موسیٰؑ پر، کتاب (**زبور**) حضرت داوٗدؑ پر، کتاب (**انجیل**) حضرت عیسیٰؑ پر اور (**قرآنِ کریم**) کو محمد ﷺ پرنازل فرمایا گیا۔ ایک انسان جب کوئی حکم دینا یا پابندی لگانا چاہے یاکوئی بات پوچھنا، کوئی خبر دینا چاہے تو، پہلے اِن سب کو اپنے ذہن میں سوچتا ہے، تیار کرتا ہے۔ اُس کے ذہن میں پائے جانے والے اِن سب معانی کو (**کلامِ نفسی**) کہا جاتا ہے۔ اِن

معانی کو عربی، فارسی یا ترکی نہیں کہا جا سکتا۔ مختلف زبانوں میں کہا جانے سے مختلف معنی اَخذ نہیں ہوتے۔ اِن معانی کو سمجھانے والے الفاظ کو **(کلامِ لفظی)** کہا جاتا ہے۔ کلامِ لفظی کو مختلف زبانوں میں سمجھایا جا سکتا ہے۔ اِس سے پتا چلتا ہے کہ کلام نفسی دراصل، دوسری صفات کی طرح، مثلاً علم، ارادہ، بصر۔۔۔ جیسی، صاحبِ کلام میں پائی جانے والی بنیادی، ناقابلِ تبدیل اور ایک منفرد صفت ہے۔ جبکہ کلامِ لفظی، کلامِ نفسی کو سمجھانے والی اور انسان کے کان تک آنے والی اور کہنے والے کے منہ سے ادا کئے گئے الفاظ کا مجموعہ ہے۔ بس، اللہ تعالیٰ کا کلام، جس کے لئے بے آوازی نہیں، جو مخلوق نہیں، اورجو اُس کی ذات کے ساتھ پایا جانے والا، اَزلی اور اَبدی کلام ہے۔ یہ صفاتِ ذاتیہ سے اور علم، ارادہ، جیسی صفاتِ ثبوتیہ کے علاوہ، بذاتِ خود ایک صفت ہے۔

صفتِ کلام بھی بنیادی ہے۔ یہ کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔ یہ لفظی یا صوتی نہیں ہے۔ یہ اوامر، نواہی، خبر دینے کی طرح اور عربی، فارسی، عبرانی، ترکی، سریانی ہونے کی طرح ایک دوسرے میں تبدیل ہو جانے والی، ٹکڑے ہو جانے والی نہیں ہے۔ یہ اِن جیسی شکلیں نہیں بناتی۔ لکھی نہیں جاتی۔ ذہن، کان اور زبان جیسے آلات اور واسطوں کی محتاج نہیں ہے۔ اِسے، جس زبان میں کہا جانا مطلوب ہو کہا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی، اگر عربی میں کہا جائے تو قرآنِ کریم کہلاتی ہے۔ عِبرانی میں کہا جائے تو تورات ہوتی ہے۔ سریانی ہو تو انجیل ہے۔ [**(شرح المقاصد)**[1]کی کتاب کے مطابق یوں کہا گیا ہے، اگر یونانی میں کہا جائے تو انجیل، سریانی ہو تو زبور ہے۔]

کلام الٰہی مختلف چیزوں کی وضاحت فرماتا ہے۔ قصص، یعنی واقعات بیان کرے تو **(خبر)** کہلاتے ہیں۔ ایسا نہ ہو تو **(انشاَ)** ہوتا ہے۔ ضروری احکامات کے متعلق بیان کرے

---

(۱) شرح المقاصد سعد الدین التفتازانی نے تصنیف کی، آپ کی وفات ۷۹۲ سنہ ھ[۱۳۸۹ء] سمرقند میں ہوئی۔

تو (امر) ہوتا ہے۔ ممنوعات کو بیان کرے تو (نہی) کہا جاتا ہے۔ لیکن کلام الٰہی میں کوئی تبدیلی یا زیادتی ممکن نہیں۔ نازل کی گئی سب کتب اور صحائف، اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام سے ہیں۔ صفتِ کلام سے یعنی، کلام نفسی سے ہیں۔ عربی ہو تو، قرآنِ کریم ہے۔ جب لفظی ہو کر، تحریر کئے جانے، پڑھے جانے، سنے جانے اور زبانی یاد کرنے کے لئے وحی کئے گئے کلام کو (کلام لفظی) اور (قرآن کریم) کہاجاتا ہے۔ چونکہ یہ کلام لفظی، کلام نفسی کی عکاسی کرتا ہے اس لئے اِسے کلام الٰہی اور صفات الٰہی کہنا جائز ہے۔ جیسے سارا کلام قرآن کریم کہلاتا ہے ویسے ہی اُس کے حصوں کو بھی قرآن کہا جاتا ہے۔

کلام نفسی کے مخلوق نہ ہونے، قدیم ہونے کے متعلق سب علمائے طریقت متفقہ طورپر ہم فکر ہیں۔ کلام لفظی کے حدیث یا قدیم ہونے کے متعلق اتفاقِ رائے نہیں ہے۔ اُن علمأکے بقول جواِس کے حدیث ہونے پر متفق ہیں، کلامِ لفظی کو حدیث کہنا صحیح نہیں۔ اگر اسے حدیث کہا جائے تو کلامِ نفسی کے حدیث ہونا سمجھا جاسکتا ہے۔ یہی بات سب سے با اعتبار ہے۔ جب کسی چیز کی عکاسی کرنے والی کسی بات کو سنا جائے تو انسانی ذہن کو فورا وہ چیز یاد آجاتی ہے۔ علمائے اہلِ سنت میں سے قرآنِ کریم کے حدیث ہونے کا بیان کرنے والوں کی یہ فکر، ہماری زبان سے ادا کئے جانے والے الفاظ، آوازیں اور کلمات کے مخلوق ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اہلِ سنت کے علمأ نے متفقہ طور پر کلام لفظی اور نفسی دونوں کوہی کلام اللہ قبول کیا ہے۔ اس بیان پر، بعض لوگوں نے راہِ مجاز بھی اختیار کی، لیکن کلام نفسی کلام اللہ ہے کہنے سے، اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام مراد ہے۔ کلام لفظی کلام اللہ ہے کہنے سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کا خالق ہے۔

سوال: مندرجہ بالا تحریر سے سمجھ آتی ہے کہ، اللہ تعالیٰ کا ازلی کلام سنائی نہیں دیتا۔ اللہ کا کلام سنا کہنے سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ میں نے پڑھے جانے والے کلمات

اور آوازیں سنیں۔ یا پھر یہ مراد لی جائے گی کہ پڑھے جانے والی آواز سے میں نے اَزلی کلام نفسی کو سمجھ لیا۔ سب پیغمبر اور ہر شخص، ان دو شکلوں میں سن سکتا ہے۔ تو پھر حضرت موسیٰؑ کو (**کلیم اللہ**) کہہ کر منفرد ٹھہرانے کا سبب کیا ہے؟

جواب: حضرت موسیٰ نے عادتِ الٰہیہ سے علاوہ، بے حرف، بے آواز، کلام ازلی کو سنا۔ ایسے ناقابلِ بیان اور ناقابلِ فہم طریقے سے سنا، جیسے جنت میں ناقابل بیان اور ناقابل فہم شکل میں اللہ تعالیٰ دکھائی دے گا۔ کسی اور نے ایسے کبھی نہیں سنا۔ یا پھر اُنہوں نے اللہ کے کلام کو آواز کے ساتھ سنا۔ لیکن صرف کانوں سے نہیں۔ اپنے وجود کے ہر ہر ذرے اور ہر جہت سے سنا۔ یا پھر، صرف درخت کی طرف سے سنا۔ لیکن یہ سننا کسی آواز سے نہ تھا۔ ہوا کی تھرتھراہٹ یا دوسرے عوامل سے نہیں سنا۔ ان تین حالتوں میں سے کسی ایک سے سننے کی وجہ سے (**کلیم اللہ**) کے لقب سے جانے گئے۔ محمد ﷺ کا شبِ معراج میں، کلام الٰہی کو سننا اور جبرائیلؑ کا وحی لیتے ہوئے سننا بس ایسے ہی تھا۔

۴۔ ایمان کے لئے لازمی اِن چھ ارکان میں سے چوتھا:(**اللہ تعالیٰ کے پیغمبروںؑ پر ایمان لانا ہے**)۔ اُنہیں، انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ راستے پر لانے، صحیح راہ دکھانے کے لئے بھیجا گیا۔ رُسل، رسول کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنی بھیجی گئی اور خبر دینے والی ذات کے ہیں۔ اسلام کی رُو سے (**رسول**) کا معنی وہ ذات ہے جو تخلیق، عادات، علم اور عقل کے اعتبار سے اپنے زمانے کے سب لوگوں سے برتر، عالی اور محترم ہو۔ اُس میں کبھی کوئی بری عادت یا ناپسندیدہ حالت نہیں پائی جاتی۔ پیغمبر صفتِ (**عصمت**) کے حامل ہیں۔ یعنی اُنہیں پیغمبری کی خبر دینے سے پہلے بھی اور پیغمبری کے بعد بھی وہ کسی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے۔ [اسلامیت کو اندر سے زد

پہنچانے کے خواہشمند کافر کہتے ہیں کہ بعثت سے پہلے محمد ﷺ بتوں کے سامنے قربانی کرتے تھے اور بے مذہبوں کی کتابوں کو ثبوت کے طور پر دکھاتے ہیں۔ یہ بات نہایت قبیح افتراٰ پر مبنی ہے اور مندرجہ بالا سطور سے سمجھا جا سکتا ہے۔] پیغمبری کے اعلان کے بعد، پیغمبر ہونے کی خبر پھیلنے، قبول کرلئے جانے تک اِن ذوات میں اندھا پن، بہرہ پن اور ایسے ہی دیگر عیوب اور قصورات تک بھی نہ پائے جاتے تھے۔ ہر پیغمبرؑمیں سات صفات کے پائے جانے پر ایمان رکھنا ضروری ہے: **امانت، صدق، تبلیغ، عدالت، عصمت، فطانت** اور **امن العزل** ہیں۔ یعنی وہ پیغمبری سے کبھی عزل نہیں کئے جاتے۔ فتانت سے مراد اُن کا نہایت عقلمند، نہایت سمجھدار ہونا مراد ہے۔

ایک نیا دین لانے والے پیغمبرؑکو (رسول) کہا جاتا ہے۔ نیا دین لائے بغیر، انسانوں کو موجودہ دین کی دعوت دینے والے پیغمبرؑکو (نبی) کہا جاتا ہے۔ اوامر کی تبلیغ کرنے میں اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دینے کی رُو سے رسولؑاور نبیؑمیں کوئی فرق نہیں ہے۔ پیغمبروںؑپر ایمان سے مراد یہ ہے کہ ان کے مابین کسی قسم کی تفریق کئے بغیر، سب کو صادق، حق بات کرنے والا تسلیم کیا جائے اور ایمان رکھا جائے۔ ان میں سے کسی ایک پر ایمان نہ رکھنے والا، ایسا ہی ہوگا جیسا سب کا انکار کرنے والا۔

پیغمبری؛ محنت، بھوک، چلہ کشی اور بہت عبادت کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ صرف اللہ تعالیٰ کے احسان اور اُس کی طرف سے چن لئے جانے سے ملتی ہے۔ انسانوں کے دنیاوی اور اُخروی کاموں کے صحیح اور مفید ہونے کے لئے اور نقصان دہ کاموں سے بچاکر، سلامتی، ہدایت اورراحت تک پہنچانے کے لئے، پیغمبروںؑ کے ذریعے دین بھیجے گئے۔ کثیر تعداد دشمن، مذاق اُڑائے جانے اور غمگین ہونے کی پرواہ کئے

بغیر، اللہ تعالیٰ کی جانب سے دیئے گئے احکامات کو بجا لانے اور اُس کے اوامر کو انسانوں تک تبلیغ کرنے میں، انہیں بیان کرنے میں قطعا خوفزدہ نہ ہوتے اور پلک تک نہ جھپکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دکھانے کے لئے کہ اُس کے پیغمبرؑ صاحبِ صداقت اور حق بات کی تلقین کرنے والے ہیں، اُن کو معجزات سے قوت بخشی۔ کوئی بھی اُن معجزات کا مقابلہ نہ کرسکا۔ پیغمبرؑ کا یقین کرکے اُس پر ایمان لانے والوں کو اُس پیغمبرؑ کی (امت) کہا جاتا ہے۔ روز قیامت، اُن کو اپنی اُمت کے گناہگاروں کی شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور اُن کی شفاعتیں قبول کرلی جائیں گی۔ اُن کی اُمت کے علمأ، صلحاً اور اولیاً کو بھی اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائے گا اور اُن کی شفاعات کو قبول فرمائے گا۔ پیغمبران عَلَیْهِمُ الصَّلواتُ وَالتَّسْلِیمَاتْ اپنی قبروں میں ہماری عقل سے ماوراً حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ مٹی اُن کے مبارک وجود کو بوسیدہ نہیں کرتی۔ اسی لئے حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ (**پیغمبر، اپنی قبروں میں نماز پڑھتے اور حج کرتے ہیں**)۔

[اب، سعودی عرب میں موجود (**وہابی**) کہلانے والے لوگ، اس حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ اس کو ماننے والے حقیقی مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ وہ نصوص جن کے معنی واضح نہیں اور متشابہہ ہیں، ان کی غلط تاویل کرنے سے وہ خود تو کافر نہیں ہوتے البتہ دوسروں پر فورا (**صاحبِ بدعت**) کا ٹھپہ لگا دیتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچاتے ہیں۔ وہابیت کی شروعات، محمد بن عبد الوہاب نامی ایک نجدی احمق کی جانب سے ہوئی۔ فرنگی جاسوس ہیمفر (Hempher) نے ابن تیمیہ[۱] کی گمراہ کن افکار اس کے سامنے پیش کرکے اُسے بھٹکایا۔ عبدوہ[۲] نامی ایک مصری کی کتب تُرکوں میں

---

(۱) احمد ابن تیمیہ، ۷۲۸ھ [۱۳۲۸ء] شام میں وفات پائی۔

(۲) محمد عبدوہ، ۱۳۲۳ھ [۱۹۰۵ء] مصر میں وفات پائی۔

اورسب لوگوں میں پھیلانا شروع کردیں۔ یہ کوئی پانچواں مسلک نہیں ہیں۔ اِن کی ضلالت اور گمراہی کے متعلق علمائے(**اہلِ سنت**) نے اپنی سینکڑوں کتابوں میں بیان کیا ہے۔ (**سعادتِ اَبدیہ**) اور (**قیامت اور آخرت**) نامی کتابوں میں اِن کے متعلق تفصیلی بیان پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ، نوجوان علمائے دین کو انگریزوں کی نکالی اس وہابیت کی راہ میں پھسلنے سے محفوظ فرمائے۔ احادیث شریفہ میں مدح کی گئی علمائے (**اہلِ سنت**) کی راہ سے دور نہ کرے!]

پیغمبروں عَلَیْہِمُ السَّلاَمْ کی آنکھیں سوتے ہوئے، قلب کی آنکھیں بیدار رہتی ہیں۔ پیغمبری کا وظیفہ پورا کرنے، پیغمبری کی عظمت کا بھار اٹھانے میں، سب پیغمبرؑ مساوی ہیں۔ مندرجہ بالا سات اوصاف سب میں پائے جاتے ہیں۔ پیغمبروںؑ کو پیغمبری سے عزل نہیں کیا جاتا، وظیفہ سے دور نہیں کیا جاتا۔ اولیاؒ سے ولایت لی جاسکتی ہے۔ پیغمبران عَلَیْہِمُ الصَّلَواتُ وَالتَّسْلِیمَاتْ انسان ہوتے ہیں۔ جنوں میں سے یا ملائکہ میں سے پیغمبر نہیں ہوتا۔ جن اور ملک پیغمبری کے درجہ پر فائز نہیں ہو سکتے۔ پیغمبروں کی ایک دوسرے پر فوقیت اور شرفیت وارد ہے۔ مثلاً، کسی کی اُمت کا تعداد میں بڑا ہونا، مبعوث کی گئی مملکت کا وسیع ہونا، اُن کے علم اور معرفتوں کا کئی جگہ پھیل جانا، دیئے گئے معجزات کی تعداد اور اِن میں تواتر پایا جانا وغیرہ اور ان کے علاوہ اُن کی ذات کی قدر و قیمت اوراُن پر کئے گئے اللہ کے احسانات کی وجہ سے بھی اُن کے مابین فرق پایا جاتا ہے۔ اِن سب کے اعتبار سے نبی آخر الزمان (**محمد**)صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سب پیغمبروں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اولولعزم پیغمبرؑ اُن پر فوقیت رکھتے ہیں جو ایسے نہیں ہیں۔ رسولؑ اُن انبیاؑ پر فوقیت رکھتے ہیں جو رسول نہیں ہیں۔

پیغمبروںؑ کی قطعی تعداد معلوم نہیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار سے زیادہ ہونے کے

بارے میں روایت مشہور ہے۔ ان میں سے تین سو تیرہ یا تین سو پندرہ عدد رسولؑ ہیں۔ ان میں بھی چھ وہ ہیں جن کے درجات زیادہ بلند ہیں۔ انہیں **(أولو العزم) پیغمبرؑ** کہا جاتا ہے۔ یہ اولولعزم پیغمبران، حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفی عَلَيْهِمُ الصَّلاَةُ وَالسَّلاَمْ ہیں۔

پیغمبروںؑ میں تینتیس عدد مشہور ہیں۔ ان کے نام یوں ہیں: **آدم، ادریس، شیت یا شیث، نوح، ھود، صالح، ابراہیم، لوط، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، ایوب، شعیب، موسیٰ، ہارون، خضر، یوشع بن نون، الیاس، الیسع، ذوالکفل، شمعون، اشموئیل، یونس بن متیٰ، داوٗد، سلیمان، لقمان، زکریا، یحییٰ، عزیر، عیسیٰ بن مریم، ذوالقرنین اور عَلَيْهِمُ الصَّلاَةُ وَالسَّلاَمْ** ہیں۔

ان میں سے صرف اٹھائیس کے نام قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں۔ شیث، خضر، یوشع، شمعون اور اشموئیل عَلَيْهِمُ الصَّلاَةُ وَالسَّلاَمْ کے نام بیان نہیں کئے گئے۔ اِن اٹھائیس میں سے حضرات ذوالقرنین، لقمان، عزیر اور خضر کے پیغمبر ہونے یا نہ ہونے کے متعلق قطعی معلومات نہیں ہیں۔ **(مکتوباتِ معصومیہ)** جلد دوئم، ۳۶ ویں مکتوب میں خضرؑ کے پیغمبر ہونے کے متعلق قوی بیانات تحریر کئے گئے ہیں۔ ۱۸۲ ویں مکتوب میں، حضرت خضرؑ کا انسانی شکل میں نظر آنے اور بعض کام کرنے سے اُن کا زندہ ہونا مراد نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اور کئی ایک پیغمبروں اور اولیاؒ کی روحوں کو انسانی شکل میں دکھائی دینے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اُنہیں دیکھنے سے یہ مراد نہیں کہ وہ زندہ ہیں۔ ذوالکفلؑ کا دوسرا نام ہارقل ہے۔ اِنہیں الیاسؑ یا ادریسؑیا پھر زکریاؑ کہنے والی روایات بھی پائی جاتی ہیں۔

ابراہیمؑ، خلیل اللہ ہیں۔ کیونکہ آپؑ کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے سوا

کسی مخلوق کی محبت نہ پائی جاتی تھی۔ موسیٰؑ کلیم اللہ ہیں۔ کیونکہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے کلام فرمایا تھا۔ عیسیٰؑ کلمۃ اللہ ہیں۔ کیونکہ آپؐ کا کوئی والد نہیں تھا۔ صرف الٰہی کلمۂ (کُنْ) سے اپنی والدہ سے دنیا میں تشریف لائے۔ اِس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ کی حکمت سے بھرپور کلمات کو وعظ دے دے کر انسانوں کے کانوں تک پہنچایا۔

بنی آدمؑمیں سب سے افضل، سب سے زیادہ صاحبِ شرف، سب سے عالی اور مخلوقات کی تخلیق کا سبب محمد ﷺ حبیب اللہ ہیں۔ آپؐ کے حبیب اللہ ہونے اور آپؐ کی افضلیت اور فوقیت کے اثبات میں کئی ایک چیزیں دکھائی جاسکتی ہیں۔ اس لئے، آپؐ کے لئے مغلوبیت، شکست جیسے الفاظ استعمال نہیں کئے جا سکتے۔ قیامت میں سب سے پہلے اپنی قبر مبارک سے اُٹھیں گے۔ مقامِ محشر سب سے پہلے پہنچیں گے۔ جنت میں سب سے پہلے داخل ہونگے۔ آپؐ کے معجزات گننے سے ختم نہیں ہوتے اور گننے کے لئے قوتِ انسانی ساتھ نہیں دے سکتی، پھر بھی ہم معراج کے معجزے کو لکھ کر اپنی تحریر کو سجاتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کو نیند سے بیدار کر کے، مبارک بدن کے ساتھ، شہر مکہ سے قدس میں واقع مسجد اقصیٰ اور وہاں سے آسمانوں اور ساتویں آسمان کے بعد اُن مقامات تک لے جایا گیا جہاں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو لے جاناچاہا۔ معراج پر اسی طرح ایمان رکھنا ضروری ہے۔ [گمراہ اسماعیلی فرقہ والے اور علمائے اسلام کا روپ دھارے دشمنان دین کے مطابق معراج ایک حال تھا، جو صرف روح کے ساتھ پیش آیا۔ آپؐ بدن کے ساتھ نہیں گئے، کہہ کر اور لکھ کر نوجوانوں کو فریب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی غلط کتابیں لینے سے پرہیز کرنا چاہیئے اور نہ ہی ان کی تعلیمات سے فریب کھانا چاہیے۔ معراج کیسے وقوع پذیر ہوئی، اس کے متعلق کئی گراں قدر کتابوں میں مثلاً (شفاً

شریف)[۱] میں تفصیلا تحریر ہے۔ (**سعادت اَبدیہ**) میں بھی بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔] مکہ مکرمہ سے (**سدرۃُ المنتہیٰ**) تک آپؐ جبرائیلؑ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ (**سدرۃُ المنتہیٰ**) چھٹے اور ساتویں آسمان پر ایک درخت ہے، کوئی بھی علم اور کوئی بھی بلندی اُس سے آگے جا نہیں سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے سدرۃ پر جبرائیلؑ کو چھ سو پروں کے ساتھ اُن کی اصل شکل میں دیکھا۔ جبرائیلؑ سدرۃ پر رُک گئے۔ مکہ سے قدس شریف تک یا ساتویں آسمان تک (**براق**) پر لائے گئے۔ (**براق**) سفید رنگ کا، خَچر سے چھوٹا مگر گدھے سے بڑا جنت کا حیوان ہے۔ وہ دنیا وی حیوانات میں سے نہیں۔ اُس کا کوئی نر یا مادہ نہیں ہے۔ وہ نہایت سُرعت سے جاتا تھا۔ نظر کی رسائی جیسی مسافت پر اپنا پائوں جماتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے (**مسجد اقصیٰ**) میں پیغمبروںؑ کی امامت کرتے ہوئے عشاء یا فجر کی نماز ادا فرمائی۔ پیغمبروںؑ کی ارواح کو اپنی انسانی شکلوں میں وہاں دیکھا۔ (**قدس**) سے آپؐ کو ساتویں آسمان تک (**معراج**) نامی انجانی سیڑھی سے ایک ہی پل میں چڑھا دیا گیا۔ راستے میں ملائکہ، دائیں بائیں قطار باندھے، رسول اللہ ﷺ کی مدح و ثنا کرتے تھے۔ ہر آسمان پر پہنچ کر جبرائیلؑ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر دے کر مژدہ سناتے۔ ہر آسمان پر، آپؐ ایک پیغمبرؑ کو دیکھتے اور اُنہیں سلام کرتے۔ (**سدرۃ**) پر آپؐ نے کئی حیران کن چیزیں دیکھیں۔ جنت کی نعمتوں، جہنم کے عذابوں کو دیکھا۔ جناب حق کے جمال کو دیکھنے کی آرزو اور ذوق میں آپؐ نے جنت کی نعمتوں میں سے کسی کی جانب نہ دیکھا۔ سدرۃ سے آگے، اکیلے ہی، نور کے درمیان سے ہوتے ہوئے آگے بڑھے۔ ملائکہ کے قلموں کی آوازیں سنائی دیں۔ آپؐ ستر ہزار پردوں میں سے گزرے۔ دو پردوں کا درمیانی فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت

---

(۱) شفاء شریف قاضی عیاض مالکی نے تصنیف کی، آپ کی وفات ۵۴۴ھ [۱۱۵۰ء] مراکش میں ہوئی۔

جیسا تھا۔ اس کے بعد سورج سے زیادہ چمکدار (رفرف) نامی دوشک پر بیٹھ کر آپؐ کرسی سے آگے نکل گئے۔ عرشِ الٰہی تک جا پہنچے۔ عرش سے، زمان سے، مکان سے، مادے کے عالموں سے باہر نکل گئے۔ جناب حق کا کلام سننے کے مقام تک پہنچ گئے۔ زمان ومکان کی قید سے آزاد ہوکر، آخرت میں کی جانے والی اللہ تعالیٰ کی رویت کی طرح، رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو ناقابل فہم و ناقابل بیان حال میں دیکھا۔ بلا حرف و صوت اللہ تعالیٰ سے کلام کیا۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی اور حمد و ثنا کی۔ آپؐ کوان گنت اکرامات و عظمتوں سے شرفیاب فرمایا گیا۔ آپؐ اور آپؐ کی امت کے لئے پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی لیکن حضرت موسیٰؑ کے اشارے سے ان میں تدریجا پانچ وقت تک کمی واقع کی گئی۔ اس سے پہلے صرف فجر اور عصر یا عشاء کی نمازیں پڑھی جاتی تھیں۔ اس قدر طویل سفرسے آپؐ ان گنت اکرامات، احسانات سے مشرف ہو کر کئی ایک حیران کن چیزیں دیکھنے اور سننے کے بعداپنے بستر پر واپس لوٹ آئے۔ آپؐ کا بستر ابھی تک گرم ہی تھا۔ ہماری بیان کردہ ان باتوں‌میں سے کچھ کے متعلق آیاتِ کریمہ میں اور کچھ کے متعلق احادیث میں خبر دی گئی ہے۔ یہ باتیں علمائے اہلِ سنت نے بیان کی ہیں، گوان سب پر ایمان لانا واجب نہیں لیکن، اگر کوئی شخص ان باتوں کا یقین نہ کرے گا تو وہ طریق اہلِ سنت سے ہٹ جائے گا۔ آیاتِ کریمہ اور احادیث سے انکار کرنے والا تو بہرحال کافر ہو گا۔

محمد ﷺ کے (**سیّد الانبیاؑ**) ہونے کے بارے میں یعنی پیغمبروں عَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتْ میں سے معزز ترین ہونے کے متعلق ان گنت چیزوں میں سے چند ایک کو ہم یہاں بیان کرنا چاہیں گے:

روزِ قیامت، سب پیغمبر عَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتْ آپؐ کے عَلَم تلے اکٹھے

ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبرؑ کو [اگر تم محمد ﷺ کی پیغمبری کا زمانہ پاؤ، کہ اُس کو میں نے ساری مخلوقات میں سے چُن کر اپنا حبیب قرار دیا ہے، تو اُس پر ایمان لانا اور اُس کی معاونت کرنا!] فرما کر حکم دیا تھا۔ سب پیغمبروںؑ نے بھی اپنی اپنی اُمتوں کو ایسے ہی وصیت فرمائی اور حکم دیا تھا۔

محمد ﷺ (خَاتم الانبیاؑ) ہیں۔ یعنی آپؐ کے بعد کوئی پیغمبر نہ آئے گا۔ آپؐ کی روح مبارکہ سب پیغمبروں سے پہلے تخلیق فرمائی گئی۔ پیغمبری کا مقام سب سے پہلے آپؐ کو عنایت فرمایا گیا۔ پیغمبری آپؐ کی دنیا میں تشریف آوری سے اختتام پذیر ہو گئی۔ حضرت عیسیٰؑ قربِ قیامت میں، حضرت مہدی کے زمانے میں دمشق میں آسمان سے اُتریں گے، لیکن زمین پر محمد ﷺ کے دین کی اشاعت فرمائیں گے۔ اور آپؐ کے اُمت میں سے ہونگے۔

[ہجری قمری ۱۲۹۶ھ اور میلادی ۱۸۸۰ء میں، ہندوستان میں انگریزوں کی چال کے تحت نکالے گئے **(قادیانی)** نام کے گمراہ لوگ، حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں غلط اور جھوٹ باتیں بناتے ہیں۔ خود کو مسلمان کہتے ہیں، لیکن اِسلامیت کو اندر رہی اندر مٹانے کے درپہ ہیں۔ اُن کے غیر مسلمان ہونے کے متعلق فتویٰ دیا جا چکا ہے۔ اِن کو **(احمدی)** بھی کہا جاتا ہے۔

ہندوستان سے نکلنے والا ایک اہل بدعت اور زندیقی فرقہ **(تبلیغی جماعت)** ہے۔ اسے ۱۳۴۵ھ [۱۹۲۶ء] میں الیاس نامی جاہل نے تشکیل دیا۔ وہ (مسلمانوں گمراہی میں گِرے پڑے ہیں۔ ان کی نجات کے لئے مجھے خواب میں حکم دیا گیا ہے) کہتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اُس نے اپنے گمراہ اساتذہ نذیر حسین، رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد سہارنپوری کے کتابوں سے پڑھ کر سیکھا ہے۔ مسلمانوں کو فریب دینے کی خاطر ہمیشہ

نماز کی اور جماعت کی اہمیت کو بیان کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ اہل بدعت کی یعنی (**اہلِ سنت**) مسلک کے علاوہ کسی اور کی نمازیں اور دیگر عبادات قبول نہیں ہوتیں۔ جبکہ، اِن کے لئے اہلِ سنت کی کتابیں پڑھ کراور اولا بدعتی اعتقادات سے نکل کر حقیقی مسلمان ہونا ضروری ہے۔ قرآنِ کریم کی وہ آیات جو پوری طرح واضح نہیں کی گئیں،اور متشابہہ ہیں، اُن کے غلط معانی نکالنے والوں کو (**اہل بدعت**) یا (**گمراہ**) کہا جاتا ہے۔ آیات کریمہ کو اپنی غلط اور گمراہ سوچ کے مطابق غلط معنی دینے والے دشمن اسلام کو (**زندیق**) کہا جاتا ہے۔ زندیق لوگ، قرآن کریم اور اسلامیت کو تبدیل کرنے کے درپہ ہیں۔ انہیں نکالنے، پرورش کرنے اور دنیا میں ہر طرف ان کے پھیل جانے کے لئے اربوں روپیہ خرچ کرنے والے سب سے بڑے دشمن، انگریز ہیں۔ انگریز کافروں کے جال میں پھنسے جاہل اور بے بنیاد (**تبلیغ جماعت والے**)، خود کو (**اہلِ سنت**) کہتے ہوئے اور نمازیں اداد کرتے ہوئے جھوٹ بولتے ہیں اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ، (ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جن کا دین نہ ہو گا لیکن وہ نماز پڑھیں گے)۔ یہ جہنم کی تہہ میں تا ابد جلائے جائیں گے۔ ان میں سے ایک قسم ایسی ہے، جن کے سروں پر بڑی بڑی پگڑیاں ہیں گویا کسی مینار کی چوٹی پر سارس کا گھونسلہ، اِن کے لمبے لمبے جبے اور داڑھیاں ہیں، وہ آیات کریمہ پڑھ کر اوراِنہیں غلط معنی دے کر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ حالانکہ، حدیث شریف میں صراحتا ارشاد کیا گیا ہے: (إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَنْظُرُ إِلَىَ صُوَرِكُمْ وَثِيَابِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَىَ قُلُوبِكُمْ وَنِيَّتِكُمْ)، (بے شک اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتا تمہاری صورتوں اور تمہارے لباسوں کو، لیکن وہ دیکھتا ہے تمہارے دلوں کو اور تمہاری نیتوں کو)۔ شعر:

قدِ بلند دارد، دستار پارہ پارہ * چوں آشیانِ لق لق، بَر قلۂ منارہ

ان جاہلوں کے، احمقوں کے سنہری الفاظ کو جھوٹا ثابت کرنے والی، (**حقیقت کتاب گھر**) کی کتب کا جواب نہ بن پانے کی وجہ سے، وہ لوگوں کو کہتے ہیں کہ (حقیقت کتاب گھر کی کتب غلط ہیں، خراب ہیں۔ یہ کتابیں مت پڑھیں)۔ دشمنانِ اسلام، گمراہان اور زندیقوں کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ، علمائے اہلِ سنت کی تحریروں کو اور اِن کو نشر کرنے والی حقیقی دینی کتابوں کو خراب کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اِنہیں نہ پڑھیئے۔ اسلامیت کو ان کی جانب سے پہنچائے گئے نقصانات اور علمائے اہلِ سنت کے جوابات، ہماری (**مفید معلومات**) نامی کتاب میں تفصیلا بیان کردیئے گئے ہیں۔]

محمد ﷺ، سید الانبیاءؑ اور رحمت للعالمین ہیں۔ اٹھارہ ہزار عالم، آپؐ کے دریائے رحمت سے استفادہ کرتے ہیں۔ اتفاق رائے ہے کہ آپؐ انسانوں اور جنوں کے پیغمبر ہیں۔ کئی روایات ایسی بھی ہیں جن کے مطابق آپؐ ملائکہ، نباتات، حیوانات اور ہر مادے کے پیغمبر بھی ہیں۔ دیگر پیغمبرانؑ کسی مخصوص علاقہ میں، کسی مخصوص قوم کے لئے مبعوث فرمائے گئے۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ، سب عالموں، جاندار و بے جان ہر مخلوق کے پیغمبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دیگر پیغمبروںؑ کو اُن کے نام لے کر پکارا ہے۔ جبکہ محمد ﷺ کو، اے میرے رسول، اے میرے پیغمبر، کہہ کر شرف بخشا۔ دیگر پیغمبروںؑ کو دیئے گئے معجزات کی طرح آپؐ کو بھی معجزات احسان فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبرؐ کو اس قدر اکرام عنایت کئے، اتنے زیادہ معجزات احسان فرمائے جو کسی پیغمبرؑ کو نہ کئے تھے۔ انگشت مبارک کے اشارے سے چاند کو دو چاک کردینا، مبارک ہتھیلی میں لی کنکریوں کا تسبیح کرنا، درختوں کا (**یا رسول اللہ**) کہہ کر آپؐ کو سلام کرنا، آپؐ سے علیحدگی کی وجہ سے (**حنانہ**) نامی سوکھی لکڑی کا باآوازِ بلند گریہ کرنا، مبارک انگلیوں کے درمیان سے صاف پانی کا بہہ نکلنا، آخرت میں آپؐ کو (**مقام محمود**)، (**شفاعت**

کبریٰ)، (حوض کوثر)، (وسیلہ) اور (فضیلہ) نامی مقامات عنایت فرمانا، جنت میں داخل ہونے سے پہلے جمالِ الٰہی کی دید سے مشرف کیا جانا اور دنیا میں خُلق عظیم، دین میں یقین، علم، حلم، صبر، شکر، زہد، عفت، عدل، مروت، حیا، شجاعت، تواضع، حکمت، ادب، سماحت (اچھائی کرنے والا)، مرحمت، رفعت اور لامتناہی فضائل اور کمالات کی بنا پر سب پیغمبروں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ آپؐ کو عطا کئے گئے معجزات کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ آپؐ کے دین نے سب اَدیان کو نسخ کردیا، اُن کے احکام کو منسوخ کردیاہے۔ آپؐ کا دین سب اَدیان سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ آپؐ کی امت سب اُمتوں سے افضل ہے۔ آپؐ کی اُمت کے اولیأ، دیگر امت کے اولیأ سے زیادہ شرف کے حامل ہیں۔

حضرت محمد ﷺ کی اُمت کے اولیأ میں سے، رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ بننے کا حق حاصل کرنے والے اور دیگر اصحاب کرام میں سب سے زیادہ خلافت کے لائق، ائمہ اور اولیأ کے سرتاج (**حضرت ابو بکر صدیق**) رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ، بعد از پیغمبر سب انسانوں میں افضل ترین اور مُعزز ترین شخصیت ہیں۔ خلافت کا درجہ اور شرف سب سے پہلے اُنہی کو حاصل ہوا۔ قبولِ اسلام سے پہلے بھی آپؓ نے اللہ تعالیٰ کے لطف و احسان سے کبھی بتوں کی پرستش نہ کی تھی۔ کفر اور گمراہی کے عیوب سے آپؓ کو محفوظ رکھا گیا تھا۔ [یہاں اُن لوگوں کی جہالت اور عاجزی کا اندازہ لگانا چاہیئے، جو یہ سوچ رکھتے اور اپنی تحریروں میں بیان کرتے ہیں کہ نبوت سے پہلے رسول اللہ ﷺ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔]

آپؓ کے بعد، انسانوں میں سب سے افضل، فاروقِ اعظم، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے حبیبؐ کے دوست کے طور پر چنے گئے، خلیفۂ ثانی (**حضرت عمرؓ بن خطاب**)

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ ہیں۔

اُن کے بعد، انسانوں میں سب سے افضل، رسول اللہ ﷺ کے تیسرے خلیفہ، خزانۂ خیرات واحسان، منبعِ حیا، ایمان وعرفان، ذوالنورین (**عثمانؓ بن عفّان**) رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ ہیں۔

اُن کے بعد انسانوں میں سب سے اچھے، رسول اللہ ﷺ کے چوتھے خلیفہ، حیرت انگیز خصوصیات کے مالک، اللہ کے شیر (**علیؓ بن ابی طالب**) رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ ہیں۔

آپکے بعد (**حضرت حسنؓ بن علیؓ**) خلیفہ بنے۔ حدیث شریف میں بیان کی گئی تیس سالہ خلافت راشدہ آپؓ پر اختتام پذیر ہوئی[۱]۔ اُن کے بعد انسانوں میں سب سے افضل، رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں کے نور (**حضرت حسینؓ بن علیؓ**) رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُم ہیں۔

افضلیت کی اس درجہ بندی کی اساس، زیادہ ثواب، دین اسلام کی خاطر اپنے وطن اور اپنے اعزاّ کو ترک کرنا، اُوروں سے پہلے مسلمان ہونا، رسول اللہ ﷺ کی حد درجہ اتباع کرنا، آپؐ کی سنت پر مضبوطی سے قائم رہنا، دین کے پھیلانے میں جدوجہد کرنا، کفر اورفتنہ فساد کی روک تھام کرنا ہے۔

حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ گو کہ حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ سے اور بقیہ اصحاب کرامؓ سے پہلے مسلمان ہوئے، لیکن اُس وقت بچہ ہونے اور بے مال ہونے کی وجہ سے اور رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آپؐ کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے، اُن کا پہلے ایمان لے آنا، دوسروں کے ایمان لانے میں، اُوروں کو عِبرت دلانے میں اور کافروں کو شکست دینے کا سبب نہ بنا۔ حالانکہ دیگر تین خلفاۤ کے قبولِ دین سے اسلام کو قوت حاصل ہوئی۔ گوامام علی اور اُن کے صاحبزادگان رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُم کو رسول اللہ ﷺ کے قریب ترین اقرباۤ اور رسول اللہ ﷺ سے خون کا رشتہ ہونے کی بنا پر صدیق اکبرؓ

---

(۱) حضرت حسنؓ بن علیؓ، ۴۹ھ [۶۶۹ء] مدینہ منورہ میں زہر دیئے جانے کی وجہ سے وفات پا گئے۔

اور فاروق اعظمؓ سے افضل مانا جا سکتا ہے لیکن اُن کی یہ افضلیت سے قطعاً یہ مراد نہیں کہ وہ ہر لحاظ سے افضل ٹھہرتے ہیں۔ اس یہ ہر گز مراد نہیں کہ اِن بڑوں پَر ہر پہلو سے اُن کی افضلیت تسلیم کر لی جائے۔ یہ حضرت حضرؑ کا حضرت موسیٰؑ کو چند باتیں سکھا دینے کے مترادف ہے۔ [اگر کسی کو قریبی خونی تعلق کی بنا پر زیادہ افضل ٹھہرایا جا تا تو حضرت عباسؓ کو حضرت علیؓ پر فوقیت دی جاتی۔ خونی تعلق کے لحاظ سے ابو طالب اور ابو لہب آپؐ سے زیادہ قریب ہونے کے باوجود وہ اُس شرف اور افضلیت کے مالک نہیں جو مومنین میں سے سب سے کم درجہ والے کا ہے۔] خونی تعلق کی بنا پر **حضرت فاطمہ، حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ** رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُنَّ سے برتر ہیں۔ لیکن ایک خُصوصیت میں برتری سے ہر پہلو سے برتری مراد نہیں۔ اِن تینوں میں سے کون کس سے بَرتر ہے، ہمارے علماً مختلف رائے بیان کی ہیں۔ احادیث شریفہ کے مطابق یہ تینوں اور حضرت مریم اور فرعون کی بیوی حضرت آسیہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُنَّ اَجْمَعِیْن دنیا کے سب خواتین میں سب سے افضل ہیں۔ حدیث شریف میں، **(فاطمہؓ، جنت کی خواتین کی سردار ہیں۔ حسنؓ اور حسینؓ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں)** ارشاد فرمایا گیا ہے کہ، یہ افضلیت کا ایک پہلو ہے۔

اِن کے بعد اصحابِ کرامؓ میں سب سے افضل **(عشرہ مبشرہ)** ہیں، یعنی وہ دس اصحاب کرامؓ جنہیں جنت کی بشارت دی گئی۔ اِن کے بعد غزوۂ بدر میں شامل تین سو تیرہ اشخاص کو افضلیت حاصل ہے۔ اِن کے بعد غزوۂ اُحد میں شامل سات سو شیروں میں سے سبھی، پھر اِن کے بعد (بیعت رضوان)، یعنی شجر تلے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے وعدہ کرنے والے ایک ہزار چار سو اصحابِ کرامؓ کو بَرتری حاصل ہے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی راہ میں اپنی جانوں، اپنے مالوں کو فدا کرنے والے، آپؐ کی مدد کرنے والے

جملہ اصحابِ کرام رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ اَجۡمَعِیۡن کے نام عزت اور محبت کے ساتھ لینا ہم سب پر واجب ہے۔ اُن کی فضیلت کے برعکس کوئی بات کرنا قطعا جائز نہیں۔ اُن کے ناموں کو بے ادبی کے ساتھ زبان پر لانا، ضلالت ہے، گمراہی ہے۔

جو شخص رسول اللہ ﷺ کو چاہتا ہے اُس پر لازم ہے کہ آپؐ کے سب اصحابِ کرامؓ کو بھی چاہے۔ کیونکہ، ایک حدیث شریف میں، (**میرے اصحاب کو چاہنے والا، مجھ سے چاہت کی وجہ سے چاہتا ہے۔ اُنہیں ناپسند کرنے والاایسا ہے گویاوہ مجھے ناپسند کرے۔ اُنہیں تکلیف دینے والا، مجھے تکلیف دیتا ہے۔ اور مجھے تکلیف دینے والا، اللہ تعالیٰ کو تکلیف دے گا۔ اور اللہ کو تکلیف دینے والا بلا شبہ عذاب پائے گا**) ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ایک اور حدیث شریف میں، (**اللہ تعالیٰ میری اُمت میں سے کسی بندے پر بَھلائی کرنا چاہے تو اُس کے دل میں میرے اصحابؓ کی محبت پیدا فرما دیتا ہے۔ وہ ان سب کو اپنی جان کی مانند چاہتا ہے**) ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اس لئے، اصحابِ کرامؓ کے در میان ہونے والی جَھڑپوں کے متعلق قطعا یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ غلط سوچوں اور خلافت کے حُصول، نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے کی گئیں تھیں۔ ایسی سوچ رکھنا اور اُن عظیم شخصیات پر زبان درازی کرنا منافقت ہے اور فلاکت کی جانب لے جاتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں بیٹھنے سے، آپؐ کی مبارک گفتگو سننے سے، تعصب [یعنی عناد پروری، حسد] اور عہدے کی آرزو اور دنیا کی محبت سے اُن سب کے قلوب بالکل عَاری ہوچکے تھے۔ وہ حرِص، کینہ اور ہر طرح کی بدکرداری سے نجات پا کر بالکل پاک صاف ہو چکے تھے۔ اُس عظیم پیغمبر ﷺ کی اُمت کے اولیاؑ میں سے کسی ایک کے ساتھ چند دن گزارنے والا کوئی شخص، اُس ولی کی اعلیٰ خِصلتوں اور عظمتوں سے فیضیاب ہوتا ہے، پاک صاف

ہوکر دنیا کی محبت سے نجات پا جاتا ہے تو، کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر شے سے بڑھ کر چاہنے والے، اپنے مالوں، اپنی جانوں کو آپؐ پر فدا کرنے والے، اپنے وطن کو ترک کرنے والے، روحوں کی غذا یعنی آپؐ کی صحبت پر عاشق اصحابِ کرامؓ کواپنی بری عادات سے نجات نہ ملی ہو، اُن کا تزکیہ نفس نہ ہواہو اور وہ فانی دنیا کے لئے جھگڑے پر اتر آئے ہوں! وہ عظیم لوگ بلا شبہ سب سے پاک ہیں۔ اِن کے اختلاف کو، اِن کی جھڑپوں کو، ہم بد نیت لوگوں کی طرح جاننا، اور کہنا کہ وہ دنیا کے لئے اور اپنی نفسانی تمنائوں کے حصول کے لئے جھگڑے تھے، روا ہے کیا؟ اصحابِ کرامؓ کے لئے ایسی قبیح سوچ رکھنا، قطعا جائز نہیں۔ کیاایسی بات کرنے والے کو یہ خیال نہیں آتا کہ، اصحابِ کرامؓ سے دُشمنی دراصل اُن کی مربیؐ، اُن کے معلم رسول اللہ ﷺ سے دشمنی ہے ۔ اُن کی بَرائی کرنا، رسول اللہ ﷺ کی برائی کرنے کے مُترادف ہے۔ اسی لئے اکابرِ دین فرماتے ہیں کہ، (اصحابِ کرامؓ کی بَڑائی کو رد کرنے والا، اُن کی عزت نہ کرنے والا ایسے ہے گویا رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لایا ہو)۔ جمل اور سفین کی جنگیں اُن کے گنہگار ہونے کا جواز نہیں ہو سکتیں۔ اِن جنگوں میں، حضرت علیؓ کے مقابل آنے والے سب لوگوں کو گنہگار ہونے سے بچانے، حتیٰ ثواب کمانے کے دینی اَسباب پائے جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ، **(اپنے اجتہاد میں غلطی کرنے والے مجتہد کے لئے ایک ثواب، جبکہ صحیح اجتہاد کرنے والے مجتہد کے لئے دو یا دس ثواب ہیں۔ دو ثوابوں میں سے پہلا، اجتہاد کرنے کا ثواب ہے۔ دوسرا ثواب صحیح اجتہاد کرنے کا ہے۔)** اِن اکابِرین دین کے آپس کے اِختلافات اور جھگڑے کسی عناد پروری یا باہمی دشمنی کی بنا پر نہ تھے بلکہ اُن کے اجتہاد ات کی بنا پر تھے اور اس کا سَبب اسلامی احکامات کے نفاذ کی طلب تھی۔ ہر صحابیؓ کو

ایک مجتہد کا درجہ حاصل تھا۔ [مثلا، حضرت عمروؓ بن العاص کے مجتہد ہونے کے متعلق (حدیقہ) کے دو سو اٹھانوے صفحہ پر بیان کردہ حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے۔]

ہر مُجتہد کے لئے فرض ہے کہ اپنے اجتہاد سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق حرکت کرے۔ اُس کا اجتہاد، خواہ اپنے سے بڑے مُجتہد کے اجتہاد سے موافقت نہ رکھتا ہو پھر بھی، اپنے اجتہاد پر عمل درآمد کرنا اُس پر لازم ہے۔ دوسرے کے اِجتہاد پر عمل کرنا اُس کے لئے جائز نہیں۔ امام اعظم اَبوحنیفہ[۱] کے طالب علم ابو یوسف اور محمد شَیبانی اور امام محمد شَافعی[۲] کے طَالب علم اَبو ثور اور اسمٰعیل مزینی کئی مقامات پر اپنے اساتذہ سے مُتفرق سوچ رَکھتے ہیں۔ اُن کے اساتذہ کی جانب سے حَرام قرار دی گئی بعض چیزوں کو اُنہوں نے حلال قرار دیا۔ اور حلال قرار دی گئی بعض چیزوں کو اُنہوں نے حرام قرار دِیا۔ اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُنہوں نے گناہ کا اِرتکاب کیا۔ کسی نے بھی ایسا نہیں کہا۔ کیونکہ وہ بھی اپنے اساتذہ کی طرح مجتہد تھے۔

ہاں، ہمارے آقا و مولاحضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص سے زیادہ صاحب عظمت اوربڑے عالم تھے۔ آپؓ، اُن سے بالا ترکرنے والی کئی خصوصیات کے حامل تھے۔ آپؓ کا اجتہاد بھی، اُن دونوں کے اجتہاد سے زیادہ مضبوط اور مُثبت تھے۔ لیکن، ہر صحابیؓ ایک مجتہد کا درجہ رکھنے کی بنا پر، ان دونوں کا اِس بڑے امامؓ کے اجتہاد پر عمل کرنا جائز نہیں تھا۔ اُن کے لئے لازم تھا کہ اپنے اجتہاد کے مطابق حرکت کریں۔

سوال: جمل اور سفین کی جنگوں میں مہاجرین اور انصار میں سے کئی ایک اَصحابِ

---

(۱) ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابت، سنہ ۱۵۰ ھ [سنہ ۷٦۷ء] بغداد میں وفات پائی۔

(۲) محمد بن ادریس شافعیؒ، سنہ ۲۰۴ ھ [سنہ ۸۲۰ء] مصر میں وفات پائی۔

کرامؓ اِمام علیؓ کے ساتھ تھے۔ اُنھوں نے آپؓ کی اِطاعت کی۔ آپؓ کی اِتباع کی۔ سب کے مجتہد ہونے کے باوجود اُنہوں نے امام علیؓ کی اطاعت کو خود پرواجب جانا۔ اِس سے یہ پتا چلتا ہے کہ اِمام علیؓ کی اطاعت کرنا مجتہد اَشخاص پر بھی واجب تھی۔ اگر یوں کہا جائے کہ اُن کا اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کی رو سے، آپؓ کے ساتھ مِل جانا لازم تھا:

جواب: حضرت علیؓ کی اتباع کرنے والوں، آپؓ کے ساتھ مل کر جنگ کرنے والوں نے آپؓ کے اجتہاد کو ماننے کی وجہ سے آپؓ کا ساتھ نہیں دیا۔ بلکہ اس لئے کہ اُن کے اپنے اجتہاد بھی، امام علیؓ کے اجتہاد کے عین مطابق تھے سو اُنہوں نے آپؓ کی اتباع کو خود پر واجب جانا۔ ایسے ہی، اکابِر اصحابِ کرامؓ میں سے کئی ایک کا اجتہاد، امام علیؓ کے اجتہاد کے مطابق نہ تھا۔ اس لئے اُس عظیم امامؓ کے ساتھ جنگ کرنا اُن پر واجب ہوگئی۔ اُس وقت اصحابِ کرامؓ میں تین قسم کا اجتہاد پایا گیا۔ ایک قسم کے مطابق، امام علیؓ حق پر تھے سو اُن پرامام علیؓ کی اتباع کرنا واجب ٹھہری۔ دوسری قسم نے آپؓ کے مخالفین کے اِجتہاد کو صحیح جانا، سو اُن پر امام علیؓ سے جنگ کرنے والوں کی اِتباع کرنا واجب ٹھہری۔ تیسری قسم وہ تھی جن کے مطابق طرفین کی اتباع ٹھیک نہ تھی اورلڑائی کرنے سے گریز کرنا ضروری تھا۔ اُن کے اس اجتہادنے، اُن پر واجب کردیا کہ وہ اِس جھگڑے سے اجتناب کریں۔ تینوں قسم اصحاب کرامؓ، حق پر تھے اور بلاشبہ اُنہیں ثواب میسّر ہوا۔

سوال: مندرجہ بالا تحریر، امام علیؓ کے ساتھ جنگ کرنے والوں کو بھی سچا ثابت کرتی ہے۔ حالانکہ، علمائے اہلِ سنت کے مطابق امام علیؓ حق پر تھے، اور آپؓ کے مُخالفین غلطی پر تھے لیکن اُن کے عُذر کی بنا پر اُن کے لئے معافی ہے حتیٰ ثواب کے حقدار بھی ہیں۔ اِسے کیا کہا جائے گا؟

جواب: امام شافعیؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے اکابر دین، کسی صحابیؓ کے متعلق یوں کہنے کو کہ وہ غلطی پر تھے، جائز قرار نہیں دیتے۔ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ (اکابرین کو غلط کہنا ٹھیک نہیں)۔ اکابرین کے لئے، چھوٹوں کا (اُنہوں نے ٹھیک کیا، غلط کیا، ہمیں اچھا لگا، یا اچھا نہیں لگا) جیسے الفاظ زبان پر لانا قطعا جائز نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو اُن اکابرین کے خون سے رنگنے سے محفوظ رَکھا، ہمیں بھی چاہیئے کہ اپنی زبانوں کو، اُنہیں غلط یا صحیح قرار دینے جیسے الفاظ سے محفوظ رَکھیں۔ علمائے تحقیق نے دلائل کی رو سے اور حالات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے، اگر امام علیؓ کے سچے اور آپؓ کے مخالفین کو غلط فہمی کا شکار ہونے کے متعلق جو اَلفاظ استعمال کئے ہیں تو وہ اس خیال کے مد نظر کہے ہیں کہ (اگر حضرت علیؓ مخالفین کے ساتھ بیٹھ کر بات کر پاتے تو وہ ضرور اُن کو ویسا ہی اجتہاد کرنے پر رضامند کرلیتے جیسا خود آپؓ کا تھا)۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ بن عوام، جنگ جمل میں حضرت علیؓ کی مخالفت کے باوجود، واقعات پر گہری نظر ثانی کے بعد اپنے اجتہاد سے رجوع کرلیا اورجنگ کرنے سے باز رہے۔ خطا کو جائز کہنے والے علمائے اہلِ سنت کے الفاظ کو، بس اس طرح سے سمجھنا چاہیئے۔ وگرنہ یوں کہنا کہ، حضرت علیؓ اور اُن کے ساتھی راہِ حق پر تھے اورآپؓ کے مخالفین جن میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دیگر اصحابِ کرامؓ راہِ باطل پر گامزن تھے کہنا، قطعاً جائز نہیں ہے۔

اَصحابِ کرامؓ کے درمیان ہونے والے یہ جھگڑے، دراصل احکاماتِ شریعہ کی ایک شاخ یعنی اجتہاد میں فرق کی بنا پر تھے۔ اسلامیت کے بنیادی قوائد و ضوابط میں کسی قسم کا تَضاد نہیں پایا جاتا تھا۔ اب بعض لوگ، حضرت معاویہؓ اور عمروؓ بن العاص جیسے اکابر دین پر زبان درازی اور توہین کرتے ہیں۔ وہ اِس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں

کہ اصحابِ کرامؓ کو تکلیف دینا ایسا ہی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دی یا آپ کی توہین کی جائے۔ امام مالک بن اَنسؒ کے الفاظ (شفاءٔ شریف) میں یوں تحریر ہیں: (حضرت معاویہ یا حضرت عمرو بن العاص رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمَا[1] کو برا بھلا کہنے والا یا توہین کرنے والا، انہی الفاظ کا مستحق ہے جو وہ اِن حضرات کے متعلق کہتا ہے۔ اُن کی بے ادبی کا مظاہرہ کرنے والا، بے ادبی سے بولنے والا یا لکھنے والا سخت سزا کا مستحق ہوگا)۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنے حبیب ﷺ کے اصحابِ کرامؓ کی محبت سے بھر دے! اُن اکابرین کو، صالح اور متقی لوگ پسند کرتے ہیں۔ منافق اور شاقی لوگ پسند نہیں کرتے۔

[رسول اللہ ﷺ کے اصحابِ کرامؓ کی قدروقیمت کو، اُن کی عظمت کو سمجھ کر، اُن سب سے محبت کرنے والوں، اُن سب کی تعظیم کرنے والوںاور اُن کے راستے پر چلنے والوںکو، (اہلِ سنت) کہا جاتا ہے۔ ہم چند ایک سے محبت رکھتے ہیں اور باقی سب کو پسند نہیں کرتے یہ کہہ کراکثریت کی توہین کرنے والوں کو، اس طرح کسی صحابیؓ کے راستے پر نہ چلنے والوں کو (رافضی) اور (شیعہ) کہا جاتا ہے۔ رافضی، زیادہ تر ایران، ہندوستان اور عراق میں پائے جاتے ہیں۔ تُرکی میں نہیں پائے جاتے۔ اِن میں سے کچھ نے، مسلمان، اور صاف علوی لوگوں کو فریب دینے کے لئے خود کو (علوی) کہا۔ حالانکہ، **علوی** سے حضرت علیؓ کو چاہنے والے مسلمان مراد ہیں۔ کسی کو چاہنے کے لئے ضروری ہے کہ اُس کے راستے پر چلا جائے، اُس سے پیار کیا جائے جن سے وہ پیار کرے۔ اگر یہ لوگ حضرت علیؓ سے محبت رکھتے توضرور آپؓ کے راستے کو اختیار کرتے۔ حضرت علیؓ، جُملہ اصحابِ کرامؓ سے محبت رکھتے تھے۔ خلیفہ ثانی، حضرت عمرؓ کے مشیر اور درد بانٹنے والے تھے۔ حضرت فاطمہؓ سے آپؓ کی بیٹی حضرت اُمّ کلثومؓ کا

---

(۱) حضرت معاویہؓ بن ابوسفیانؓ، ۶۰ھ [۶۸۰ء] شام میں وفات پائی۔ حضرت عمروؓ بن العاص ۴۳ھ [۶۶۳ء] مصر میں وفات پائی۔

نکاح حضرت عمرؓ سے کر دیا تھا۔ خطبہ میں، حضرت معاویہؓ کے لئے آپؓ نے (ہمارے بھائی، ہم سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ وہ کافر یا فاسق نہیں ہیں۔ البتہ اُنہوں نے اجتہاد اس طرح سے کیا ہے) ارشاد فرمایا۔ آپؓ کے خلاف لڑائی کرتے ہوئے شہید ہونے والے حضرت طلحہؓ کے چہرے سے خود مٹی صاف کی۔ اُن کی نماز جنازہ بھی آپؓ نے خود ادا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں **(مومنین کے مابین بھائی چارہ کے متعلق)** ارشاد فرمایا ہے۔ سورۃ الفتح کی آخری آیتِ کریمہ، **(اصحابِ کرامؓ کی آپس میں پیار و محبت)** کا ثبوت ہے۔ اصحابِ کرامؓ میں سے کسی ایک سے بھی ناپسندیدگی کا اظہار کرنا، گویا قرآنِ کریم کو نہ ماننے کے مترادف ہو گا۔ علمائے اہلِ سنت، اصحابِ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اَجْمَعِیْن کی عظمت کو خوب سمجھے ہیں۔ اور سب سے محبت رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ یوں مسلمانوں کو فلاکت سے محفوظ رکھا۔

اہل بیت کو یعنی حضرت علیؓ اور آپؓ کی ساری اولاد کو، آپؓ کی نسل کو ناپسند کرنے والوں اور اہلِ سنت کی آنکھوں کی ٹھنڈک اِن اکابرین سے دشمنی رکھنے والوں کو **(خارجی)** کہا جاتا ہے۔ آج کل خارجیوں کو **(یزیدی)** کا نام دیا جاتا ہے۔ یزیدیوں کا دین اور ایمان بہت ناقص ہے۔

اُن لوگوں کو **(وہابی)** کہا جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم سب اصحابِ کرامؓ سے محبت رکھتے ہیں لیکن اُن کے راستے پر نہیں چلتے اور اپنی غلط تفکرات کو اصحابِ کرامؓ کا راستہ بتاتے ہیں۔ وہابیت کا آغاز، بے مذہب عالمِ دین احمد ابن تیمیہ کی کتب میں بیان کردہ اُس کی گمراہ کن تعلیمات اور فرنگی جاسوس ہیمفر (Hempher) کے جھوٹوں کی آمیزش سے ہوا۔ وہابی، علمائے اہلِ سنت کو، اکابرینِ تصوف کو اور اہل تشیع کو پسند نہیں کرتے اور سب کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ صرف خود کو مسلمان مانتے ہیں۔ اپنے علاوہ

سب کو مشرک کہتے ہیں۔ بقول اُن کے، اِن مشرکوں کے جان و مال وہابیوں کے لئے حلال ہیں۔ یوں خود کو(اباحی) قرار دیتے ہیں۔ نصوص سے، یعنی قرآنِ کریم سے اور احادیث شریفہ سے غلط اور مختلف معنی نکالتے ہیں اوراِنہیں اسلامیت تصور کرتے ہیں۔ ادلّہ شرعیہ اور احادیث شریفہ میں سے اکثر کا انکار کرتے ہیں۔ چار مسالک کے علمأ نے، اہلِ سنت سے اختلاف کرکے علیحدہ ہونے والوں کے، ضلالت و گمراہی میں ہونے کے متعلق اور اُن کی جانب سے اسلام کو پہنچائے جانے والے نقصانات کے متعلق اپنی کئی ایک کتابوں میں وُثوق کے ساتھ ثبوت دیئے ہیں۔ تفصیلات کے لئے ترکی کتابیں(**قیامت اور آخرت**)، (**سعادتِ ابدیہ**) اورعربی کتب میں سے (**مِنْحَةُ اْلوَهْبِيَة**)، (**اَلتَّوَسُّلُ بِالنَّبِيِّ وَبِالصَّالِحِينَ**)، (**سَبِيلُ النَّجَاةُ**) اور فارسی کتاب (**سیف الابرار**) کا مطالعہ فرمائیں!یہ کتب اور ایسی کئی ایک گراں قدرکتابیں جن میں اہل بِدعت کے رد کیا گیا ہے، استنبول میں (**حقیقت کتاب گھر**) کی جانب سے شائع کی گئی ہیں۔ (**ابن عابدین**)[۱]کی تیسری جِلد میں باغیوں کے بیان میں اور ترکی کتاب(**نعمت اسلام**) میں نکاح کے باب میں، وہابیوں کے اباحی ہونے کے متعلق صراحۃ بیان کیا گیا ہے۔ سلطان عبد الحمید خان ثانی کے جرنیلوں میں سے **ایوب صبری پاشا**[۲] اپنی تصانیف (**مرآة الحرمین**) اور(**تاریخ وہابیان**) میں، احمد جودت پاشانے اپنی تاریخ کی ساتویں جلد میں وہابیوں کے متعلق ترکی زبان میں تفصیلاً بیان کیا ہے۔ علامہ یوسف نبہانیؒ کی مصر میں طبع شدہ عربی کتاب (**شواہد الحق**) بھی وہابیوں اور ابن تیمیہ کو تفصیلی جوابات مہیا کرتی ہے۔ اس کتاب سے پچاس صفحات پر مشتمل اقتباس، ۱۹۷۲ءسنہ ھ میں استنبول میں ہماری

---

(۱) محمد امین ابن عابدین ، ۱۲۵۲سنہ ھ [۱۸۳۶سنہءا] شام میں وفات پائی۔

(۲) ایوب صبری پاشا، متوفی۱۳۰۸سنہ ھ [۱۸۹۰سنہء] ۔

عربی زبان میں نشر کردہ (**علمائے اسلام اور وہابی**) کتاب میں موجود ہے۔

ایوب صبری پاشاؒ کہتے ہیں :(وہابیت نے، ۱۲۰۵ھ [بمطابق ۱۷۹۱ء]، جزیرہ نما عرب میں خونی اور اشکنجہ آزما انقلاب کے نتیجہ میں جنم لیا۔) وہابیت اور بے مذہبی کی کتب کو پوری دنیا میں پھیلانے والوں میں ایک مِصری محمد عبدوہ تھا۔ اُس نے اپنے متعلق بیان کرتے ہوئے صراحتاً اقرار کیا ہے کہ وہ فری میسن سے منسلک اور قاہرہ کی فری میسن لاج کے سربراہ جمال الدین افغانی[۱] سے بڑا متاثر ہے۔ محمد عبدوہ کو عظیم عالم اسلام، ترقی پسند انسان، گراں قدر ریفارمسٹ باور کراکر نوجوانوں کے سامنے لایا گیا۔ اہلِ سنت کو زد پہنچانے، اسلام کو نیچا دکھانے میں کوشاں اور موقع کی تلاش میں گھات لگائے بیٹھے دشمنان اسلام نے بھی، علمائے دین کا روپ دھار کر، سنہرے الفاظ میں اسلامیت کی تعریفیں کرتے ہوئے در پردہ اس فتنے کی آگ کو ہوا دی۔ تعریفوں سے عبدوہ کو آسمان پرچڑھا دیا۔ اہلِ سنت کے عظیم علمأ کو، چار مسالک کے علمأ کو جاہل کہا گیا۔ اُن کے نام تک نہ لئے جاتے تھے۔ لیکن اسلامیت کی خاطر اپنا خون بَہانے والوں کی، رسول اللہ ﷺ کے عشق میں اپنی جانیں قربان کردینے والے ہمارے اجداد کی، شان و عزت والے ہمارے شہدأ کی پاک و صاف اولادیں اس پروپیگنڈہ اور کروڑوں روپے کے اشتہارات کے ورغلاوے میں نہ آئیں ۔ حتیٰ اس مصنوعی بناوٹی دین کے قہرمانوں کی بات پرنہ کان دھرے، نہ ہی اُنہیں قبول کیا۔ جناب حق نے، شہدأ کی اولادوں کو، اِن ناپاک حملوں سے بچالیا۔ آج بھی، مودودی[۲]، سید قطب[۳]، حمید اللہ

(۱) جمال الدین افغانی، متوفی ۱۳۱۴ھ [۱۸۹۷ء]

(۲) ابوالاعلیٰ مودودی ، ہندوستان کی (جماعت اسلامی) کا مؤسس ہے متوفی ۱۳۹۹ھ [۱۹۷۹ء]۔

(۳) سید قطب، ۱۳۸۶ھ [۱۹۶۶ء] مصر میں پھانسی دے دی گئی۔

اور (**تبلیغ جماعت**) والوں جیسے بے مذہبوں کی کتابیں ترجمہ کرواکر نوجوان نسل کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ بڑے بڑے اشتہاروں کے ساتھ، چکنی چپڑی مدح سرائی کے ساتھ پیش کئے جانے والے ان تراجم میں ہم کو کئی ایسی گمراہ افکار دکھائی دیتی ہیں جو علمائے اسلام کی بتائی باتوں سے تضاد رکھتی ہیں۔ ضرب المثل ہے؛ پانی سو جاتا ہے لیکن دشمن نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ، اپنے پیارے پیغمبر محمد ﷺ کی حُرمت کے صدقے ہم مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگائے۔ دشمنوں کے جھوٹ اور افتراؤں کے فریب میں آنے سے محفوظ رکھے! آمین۔ صرف دعا پر اکتفا کرلینے سے خود کو فریب نہیں دینا چاہیئے! اللہ تعالیٰ کی عَادتِ الٰہیہ کے مطابق حرکت نہ کرتے ہوئے، اسباب سے چپکے بغیراور بلا عمل دُعا کرنے کا مَطلب، اللہ تعالیٰ سے معجزات کی طلب رکھنا مراد ہے۔ مسلمان کے لئے دعا کے ساتھ عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ پہلے اسباب سے چپک جانا، پھر دُعا کرنا ضروری ہے۔ کُفر سے نجات کے لئے سبب اوّل، اسلامیت سیکھنا اور سکھانا ہے۔ ذاتا، اہلِ سنت کے عقائد، فرائض اورا حرام سیکھنا، ہر مرد و عورت پر فرض ہے۔ اُس کا پہلا وظیفہ ہے۔ آج کل، انہیں سیکھنا نہایت آسان ہے۔ کیونکہ، صحیح دینی کتاب لکھنا اور اُس کی نشرو اشاعت کرنے پر پوری آزادی ہے۔ ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ اُسے یہ آزادی فراہم کرنے والی حکومت کی مدد کرے۔

اہلِ سنت کے اعتقادات اور علمی احوال کی تعلیم حاصل نہ کرنے والوں اور اپنے بچوں کو نہ سکھانے والوں کو، اسلامیت سے دوری اور فلاکت کفر میں گرنے کا خطرہ لاحق ہے۔ ایسے لوگوں کی دعائیں تو ویسے ہی قبول نہیں ہوتیں کہ، وہ کفر سے محفوظ رہ سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (**جہاں علم ہے وہاں اسلام ہے، جہاں علم نہیں وہاں اسلام نہیں رہتا۔**) جینے کے لئے جیسے کھانا، پینا لازمی ہے ویسے ہی

کافروں کے فریب سے، دین کی دوری سے بچنے کے لئے دین اور ایمان کو سیکھنا لازمی ہے۔ ہمارے آبائو اجداد کا شیوہ رہا ہے کہ وہ ہمیشہ جمع ہو کر علمی کتب کا مطالعہ کرتے، اپنے دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے تھے۔ اُنھوں نے خود کو اِس طرح اسلام پر قائم رکھااور پورے ذوق و شوق کے ساتھ اسلامیت سے لطف اندوز ہوئے۔ اس نورِ سعادت کو ہم تک پوری اہلیت کے ساتھ پہنچایا۔ ہمارے اسلام پر قائم رہنے اور اپنے بچوں کو اندرونی و بیرونی کافروں کے ہاتھوں سے بچانے کے لئے اہم ترین اور اوّلین چارہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ہم علمائے اہلِ سنت کی تحریر کردہ علمی کتب پڑھیں اور سیکھیں ۔ اپنے بچوں کو مسلمان بنانے کے خواہشمند والدین کے لئے ضروری ہے کہ اپنے بچوں کو قرآن سکھائیں۔ ابھی موقع ہے، پڑھ لیں، سیکھ لیں، اپنے بچوں اور اُن لوگوں کو جن پر ہماری بات اثر رکھتی ہے، پڑھائیں!مکتب شروع کرنے کے بعد اُن کے لئے قرآن پڑھنا مشکل ہوتا ہے۔ حتیٰ ناممکن ہوتا ہے۔ فلاکت آنے پر آہیں بھرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ دشمنان اسلام، زندیقوں کی شیرین، سنہری کتب، اخبارات، مجموعہ جات، ٹیلی ویژن، ریڈیو اور فلموں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔ ابن عابدینؒ کی تیسری جلد میں یوں بیان کیا گیا ہے، (اگر کوئی شخص کسی بھی دین پر ایمان نہ رکھے اور خود کو مسلمان ظاہر کرکے ایسی باتوں کو اسلامیت کے طور پر بیان کرے جو کفر کا سبب ہوں، اور مسلمانوں کو دین سے دور کرنے کی کوشش کرے تو ایسے خفیہ کافر کو (**زندیق**) کہا جائے گا۔)

سوال: بے مذہبوں کی ناقص کتابوں سے کئے گئے تراجم کو پڑھنے والا کوئی شخص اگر کہتا ہے کہ (ہمیں قرآن کریم کی تفاسیر پڑھنی چاہیئیں۔ اپنے دین، قرآنِ کریم کی سمجھ کو علمائے دین پر چھوڑ دینا، خطرناک اور خوفناک فکر ہے۔ قرآن کریم میں (اے

علمائے دین) نہیں کہا گیا۔ (اے ایمان والو)، (اے لوگو) کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ قرآنِ کریم کو خود سمجھے، کسی اور سے اس کی توقع نہ کرے)۔

یہ شخص چاہتا ہے کہ ہر کوئی تفسیر اور حدیث پڑھے۔ علمائے اسلام کی، اکابرین اہلِ سنت کی کلام، فقہ اور علمی کتب کو پڑھنے کی نصیحت نہیں کرتا۔ وزارت امور دین کی جانب سے، رشید رضا مصری[1] کی، شمارہ نمبر ۱۵۷ اور ۱۳۹۴ھ [۱۹۷۴ء] میں طبع کردہ (**اسلام میں یکجہتی اور فقہی مذاہب**) نامی کتاب نے بھی پڑھنے والوں کو ششدر کر دیا تھا۔ اس کتاب میں کئی ایک جگہ، مثلاً چھٹے خطبہ میں وہ یوں کہتا ہے:

(اُنہوں نے مجتہد ائمہ کو پیغمبر ﷺ کے درجہ تک بلند کر دیا۔ حتیٰ، پیغمبر ﷺ کی حدیث پر عمل نہ کیا اور ایک مجتہد کے الفاظ کو ترجیح دیتے ہوئے، حدیث کو چھوڑ دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ، اس حدیث کے نسخ ہونے یا ہمارے امام کے نزدیک کوئی دوسری حدیث پائی جانے کا احتمال ہے۔

یہ مقلدین ایسے لوگوں کے اَلفاظ پر عمل کرتے ہیں جن کے لئے نہ جاننا یا حکم میں کوتاہی برتنا جائز ہے، اور اس کے برعکس خطا سے مبرأ پیغمبر ﷺ کی حدیث کو ترک کر دیتے ہیں۔ اِن لوگوں کا ایسا کرنا، مجتہدین کی تقلید سے تضاد بھی ہے اور قرآن سے انحراف بھی۔ اِن کے بقول مجتہد امام کے علاوہ کوئی اور قرآن کو نہیں سمجھ سکتا۔ اہلِ فقہ اور دیگر مقلدین کے یہ الفاظ، یہودیوں اور عیسائیوں سے منتقل ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث کو سمجھنا، اہلِ فقہ کی لکھی کتابوں کو سمجھنے سے کہیں آسان ہے۔ عربی کلمات اور اسلوب کو ہضم کر لینے والے، قرآن و حدیث کو سمجھنے میں

---

(۱) رشید رضا، محمد عبدہ کا شاگرد ہے۔ متوفی ۱۳۵۴ھ [۱۹۳۵ء]۔

کسی مشکل سے دوچار نہیں ہوتے۔ اس بات سے کون انکار کرسکتا ہے کہ اپنے دین کو سمجھانے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے؟ اور اس بات سے کون انکار کرسکتا ہے کہ اللہ کی مراد لی گئی باتوں کو سب سے بہتر سمجھنے والے اور دوسروں کو بہترین طریقے سے سمجھانے پر رسول اللہ ﷺ سے مقتدر اور کوئی نہیں ہوسکتا؟ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حضرت پیغمبر ﷺ کی وضاحت امت کے لئے کافی نہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ تبلیغ کا وظیفہ بجا طور پر ایفاً نہیں کر پائے۔ اگر انسانوں کی اکثریت قرآن کریم اور سنت کو سمجھنے کی قدرت نہ رکھتے ہوتے توجناب حق، سب انسانوں کواس کتاب و سنت میں دیئے گئے اَحکامات پر مکلف قرار نہ دیتا۔ انسان جن چیزوں پر ایمان رکھتا ہے اُنہیں دلائل سے جاننا چاہیئے۔ جناب حق نے تقلید کی مذمت کی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ باپ دادا کی تقلید کرنے پر کسی قسم کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ آیات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقلید کو قطعاً مقبولیت حاصل نہیں۔ دین کی فروعی قسم کو دلائل کے ساتھ سمجھنا، ایمانی قسم کو سمجھنے سے زیادہ آسان ہے۔ اگر مُشکل کام کی ذمہ داری واجب ٹھہری تو، آسان کام پر بھلا مکلف کیوں نہ ٹھہرایا جائے؟ بعض نادر احادیث کے احکامات گرچہ مشکل ہی کیوں نہ ہوں، اِن کو نہ جاننا یا ان پر عمل نہ کرنا عذر شمار ہو گا۔ اہل فقہ نے خود سے چند مسئلے ایجاد کر لئے ہیں۔ اور اپنی طرف سے نئے اِحکامات گھڑ لئے ہیں۔ اُنہوں نے، رائے، قیاسِ جلی، قیاسِ خفی جیسی چیزوں سے دلائل دینے کی کوشش کی ہے۔ اوراِن چیزوں کو ایسی عبادات کے دائرہ کار میں بھی استعمال کیا جن کے متعلق معلومات حاصل کرنا عقل کے ذریعے ممکن نہ تھا۔ اس طرح دین کو بڑھا چڑھا کر کئی گنا کردیا۔ اور مسلمانوں کو کلفت میں مبتلا کردیا۔ میں قیاس کامنکر نہیں ہوں۔ لیکن کہتا ہوں کہ عبادات کے دائرہ کار میں قیاس نہیں ہے۔ ایمان اور عبادات

کی تکمیل رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دور میں ہی ہو گئی تھی۔ ان میں ردوبدل کرنے کی کسی کو اجازت نہیں۔ علمائے مجتہدین نے انسانوں کو تقلید سے منع کیا ہے اور تقلید کو حرام قرار دیا ہے)۔

بے مذہب رشید رضا کی (**اسلام میں یکجہتی اور فقہی مذاہب**) نامی کتاب سے لیا گیا مندرجہ بالا اقتباس بے مذہبوں کی دیگر کتب کی طرح، مسلمانوں کو اُن کے چار مسالک کے ائمہ کی تقلید سے منع کرتا ہے۔ ہر کسی کو تفسیر اور حدیث سیکھنے کا حکم دیتا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: بے مذہبوں کی تحریروں کو اگر غور سے پڑھا جائے تو فوراً سمجھ آجاتی ہے کہ وہ اپنی گمراہ کن افکار اور فرقہ پسندانہ خیالات کو اپنی بوسیدہ منطق کی زنجیر میں سنہرے کلمات کی صورت میں پرو کر مسلمانوں کو فریب دے رہے ہیں۔ جاہلوں کو یقین ہے کہ اُن کی تحاریر کو منطق اور عقل کے دائرہ کار میں علم کا سہارا حاصل ہے، اس لئے وہ اِن سے پختگی کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں۔ لیکن صاحبِ علم و بصیرت اِن کے فریب میں کبھی نہیں آتے۔

مسلمانوں کو ابدی فلاکت کی جانب لے جانے والے اس بے مذہبی کے خطرے کے متعلق نوجوانوں کو متنبہ کرنے کی خاطر علمائے اسلام رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے چودہ سو سال میں ہزاروں گراں قدر کتابیں تحریر فرمائیں۔ مندرجہ بالا سوال کے جواب کے طور پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ یوسف نبہانی[۱] کی (**حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَى الْعَالَمِين**) نامی کتاب کے سات سو اکہتر اور چند متعاقب صفحات کا ترجمہ کیا جائے:

قرآنِ کریم سے احکامات اخذ کرنا، ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ حتیٰ ائمہ مجتہدین نے

---

(۱) یوسف نبہانی، ۱۳۵۰ھ [۱۹۳۲ء] بیروت میں وفات پائی۔

بھی، قرآن کریم میں بیان کردہ احکامات کو بالتمام اخذ نہ کرسکنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی اُن احادیث سے استفادہ کیا جواحکاماتِ قرآن کریم کی وضاحت فرماتی ہیں۔ جیسے قرآنِ کریم کو صرف رسول اللہ ﷺ ہی سمجھ پائے تھے، ایسے ہی احادیث شریفہ کو صرف اصحابِ کرامؓ اور ائمہ مجتہدین نے سمجھا اور وضاحت فرمائی۔

انہیں سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے، ائمہ مجتہدین کو عقلی و نقلی علوم، قوتِ ادراک، تیز ذہانت اور عقلمندی کے ساتھ ساتھ کئی ایک اعلیٰ خصوصیات احسان فرمائیں۔ اِن خصوصیات میں تقویٰ کوسب پر فوقیت حاصل ہے۔ اُس کے بعدوہ نورِ الٰہی آتا ہے جواُن کے دلوں میں رچ بس گیا ہے۔ ہمارے ائمہ مجتہدین نے اِن خصوصیات کی مدد سے، اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے کلام سے وہ سب سمجھ لیا جو حقیقت میں مراد تھا، جو نہ سمجھ سکے اُسے اپنے(قیاس) سے بیان کردیا۔ چاروں مسالک کے ائمہ نے وضاحت کی ہے کہ وہ اپنی رائے سے بات نہیں کرتے، اور اپنے طلباؑ کو حکم دیا کہ اگر تم کبھی(کسی صحیح حدیث کو پائو تو میری بات کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر اعتبار کرو!)۔ ائمہ مسالک نے یہ الفاظ اپنی جیسی گہری سوچ کے مالک علماؑ کو کہے ہیں۔ یہ علماؑ ہر چار مسالک کے دلائل کو جاننے والے اور ترجیح کے اہل ہیں۔ یہ علماؑ جو کہ مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں، امامِ مسلک کی دلیل کو اور اُن کے علم میں آئی صحیح حدیث کی اسناد کو، راویوں کو اور کونسی بعد میں وارد ہوئی اور ایسی کئی شرائط کو پرکھتے ہوئے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اُنہیں کس کو ترجیح دینی چاہیئے۔ یا یہ کہ، مجتہد امام نے قیاس کرکے کوئی حکم دیا، کیونکہ اُس تک اس مسئلے کے متعلق دلیل سمجھی جانے والی حدیث نہ پہنچی تھی۔ اُس کے طلباؑنے اس مسئلے کے لئے سند کا درجہ رکھنے والی حدیث کو پایا اورمتفرق حکم دے دیا۔ لیکن یہ طلباؑ ایسا اجتہاد کرتے ہوئے، امامِ مسلک کے قوائد سے باہر قدم نہیں

رکھتے۔ بعد میں آنے والے مجتہد مفتی حضرات نے بھی ایسے ہی فتویٰ دیا۔ ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ چار ائمہ مسالک اور ان مسالک میں پروان چڑھنے والے مجتہدین کی تقلید کرنے والے مسلمان، دراصل اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے حکم کے ہی تابع ہوتے ہیں۔ اِن مجتہدین نے، قرآن کریم سے اور احادیث شریفہ سے ایسے احکام سمجھے ہیں، اور بیان کئے ہیں جو دوسروں کے لئے سمجھنا ممکن نہیں۔ اور مسلمانوں نے یہ جان کر کہ اِن کا ماخذ کتاب و سنت ہے، اِن احکامات کی تقلید کی ہے۔ کیونکہ سورۃ نحل کی تینتالیسویں آیت میں یوں ارشاد فرمایا گیا ہے:(**سو پوچھ لو اہل ذکر سے، اگر تم نہیں جانتے!**)۔

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہے کہ کتاب و سنت کو سمجھنا ہر کسی کے لئے ممکن نہیں، ایسے لوگ بھی ہونگے جو سمجھ نہ سکیں گے۔ جو لوگ سمجھ نہ پائیں، اُن کے لئے حکم دیا گیا ہے کہ وہ سمجھ رکھنے والوں سے دریافت کریں اور سیکھیں، تاکہ قرآنِ کریم اور احادیث سے سمجھنے کی کاوشوں میں لگے رہیں۔ اگر قرآنِ کریم اور احادیث کو ہر کوئی صحیح معانی کے ساتھ سمجھ سکتا تو بہتّر گمراہ فرقے پیدا نہ ہوتے۔ اِن سب فرقوں کے بانی گہری سوچ رکھنے والے علماٗ ہی تھے۔ لیکن اِن میں سے کوئی بھی، نصوص یعنی قرآن کریم اور احادیثِ شریفہ کے معانی صحیح طور پر سمجھ نہ سکا تھا۔ غلط سمجھتے ہوئے، سیدھے راستے سے نکل گئے۔ لاکھوں مسلمانوں کو فلاکت کی راہ پر موڑنے کا سبب بنے۔ نصوص کے غلط معنی نکالنے میں کچھ لوگ حد سے اس قدر تجاوز کرگئے کہ، سیدھے راستے پر گامزن مسلمانوں کو کافر اور مشرک کہنے سے بھی نہ چُوکے۔ ترکی زبان میں ترجمہ کرکے، (**کشف الشبہات**) نامی وہابیت کی کتاب خفیہ طور سے ہمارے ملک میں لائی گئی، اس کے مطابق اہلِ سنت کی اطاعت کرنے والے مسلمانوں کے قتل

اور اُن کے مال کولوٹنا مباح قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ائمہ مسالک کو اجتہاد کرنے، مسالک کی بنیاد ڈالنے اور سب مسلمانوں کا اِن مسالک پر جمع ہونے کی نعمت صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی اُمت کو احسان فرمائی۔ جناب حق نے ایک طرف اعتقاد کے ائمہ پیدا کر کے گمراہ، زندیق، ملحد اور انسانی صورت میں فعال شیاطین کی جانب سے، اعتقاد اور ایمانی علوم کو خراب ہونے سے بچایا، دوسری طرف ائمہ مسالک کو پیدا فرمایا اور دین کو بگڑنے سے محفوظ رکھا۔ عیسائیت اور یہودیت میں یہ نعمت نہ تھی، اس لئے اُن کے ادیان بگڑ گئے اور کھلونا بن کر رہ گئے۔

جملہ علمأ کے متفقہ رائے کے مطابق، رسول اللہ ﷺ کی وفات سے چار سو سال بعد، اجتہاد کرنے کے قابل کوئی گہری سوچ والا عالم نہیں رہا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ، اجتہاد کرنا چاہیئے تو اُس کے متعلق دماغی مریض یا دینی جاہل ہونا ثابت ہو گا۔ عظیم عالمِ دین جلال الدین سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی[۱] نے کہا کہ میں اجتہاد کے درجہ تک پہنچ گیا ہوں۔ اُن کے ہم عصر علمأ نے آپؒ سے ایک سوال کے دو مُتفرق جوابات میں سے صحیح ترین جواب کے متعلق استفسار کیا۔ آپؒ جواب نہ دے سکے۔ آپؒ نے بہت زیادہ کام کی وجہ سے اور مصروف ہونے کی بنا پر معذرت کرلی۔ حالانکہ آپؒ سے، فتویٰ میں اجتہاد کرنا طلب کیا گیا تھا۔ جبکہ یہ، اجتہاد کے درجات میں سب سے نچلا درجہ ہے۔ جب امام سیوطیؒ جیسے بڑے عالم فتویٰ میں اجتہاد کرنے سے کترا گئے تو، مسلمانوں کو مطلق اجتہاد کرنے کی دعوت دینے والوں کو پاگل یا دینی جاہل نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے گا؟امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی[۲]

---

(۱) سیوطی عبدالرحمن، ۹۱۱ھ [۱۵۰۵ء] مصر میں وفات پائی۔

(۲) امام محمد غزالیؒ، ۵۰۵ھ [۱۱۱۱ء] طوس کے شہر میں وفات پائی۔

نے اپنی کتاب (**احیاء العلوم**) میں بیان فرمایا ہے کہ اُن کے زمانے میں کوئی مجتہد نہیں پایا جاتا۔

ایک غیر مجتہد مسلمان کے لئے لازم ہے کہ اگر وہ ایک صحیح حدیث پڑھے اوراس کے متعلق اپنے مسلک کے امام کا حکم پورا کرنا اُسے گراں گزرے تو یہ مسلمان، چار مسالک میں سے اُس حدیث کے مطابق اجتہاد کرنے والے مجتہد کی تلاش کرکے یہ کام اُس مسلک کے مطابق سر انجام دے۔ عظیم عالمِ دین امام نووی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی[۱] نے اپنی کتاب (**روضۃ الطالبین**) میں اس بارے میں تفصیل سے وضاحت فرمائی ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کے لئے، جو اجتہاد کے درجے تک نہ پہنچے ہوں، کتاب و سنت سے احکامات اخذ کرنا جائز نہیں۔ اب، بعض جاہل لوگ کہتے ہیں کہ وہ مطلق اِجتہاد کادرجہ رکھتے ہیں، نصوص سے یعنی کتاب و سنت سے احکامات اخذ کرسکتے ہیں اور اُنہیں چار مسالک کے ائمہ میں سے کسی کی تقلید کی ضرورت باقی نہ رہی۔ سالہا سال سے جس مَسلک کی تقلید کرتے رہے ہیں، اُسے تَرک کررہے ہیں۔ اپنی خراب افکار کے ذریعے مسالک کو مٹانے کے درپے ہیں۔ جاہلانہ اور احمقانہ باتیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم جیسے لوگ علمائے دین کی رائے پر عمل درآمد نہیں کرتے۔ شیطانی وسوسوں اور اپنے نفس کے بہکاوے میں آکر بڑائی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھ پاتے کہ اُن کی ایسی باتیں، اُن کے احمقانہ پن اورخباثت کو ظاہر کرتے ہیں ناکہ اُن کی بڑائی کو۔ اِن کے درمیان ایسے جاہل اور گمراہ لوگ بھی نظر آتے ہیں جن کے بقول سب کو تفسیر پڑھنی چاہیئے، تاکہ تفسیر اور صحیح بخاری سے بذاتِ خود احکامات نکال سکے۔ اے میرے مسلمان بھائی! ہوشیار رِہنا، ایسے احمقوں کے ساتھ دوستی کرنے، اِنہیں علمائے دین تصور

---

(۱) یحییٰ نوویؒ، ۶۷۶ھ [۱۲۷۷ء] شام میں وفات پائی۔

کرنے اور اِن کی من گھڑت کتابیں پڑھنے سے خود کو محفوظ رکھنا۔ اپنے امام کے مسلک کو مضبوطی سے تھامے رہو! چار مسالک میں سے اپنی مرضی سے کسی ایک کو چُن سکتے ہو۔ لیکن مسالک کی آسانیوں کے متعلق تفتیش کرنا، یعنی مسالک کو (**تلفیق**) کرنا جائز نہیں۔ [(**تلفیق**) مسالک کی آسانیوں کو جمع کرکے کئے جانے والے کسی عمل کا چار مسالک میں سے کسی کے بھی مطابق نہ ہونا مراد ہے۔ کوئی عمل کرتے ہوئے چار مسالک میں سے کسی ایک کا اعتبار کرنے کے بعد، یعنی یہ عمل اس مسلک کے مطابق صحیح قرار پانے کے بعد، اس کے متعلق باقی تین مسالک میں بھی ممکنہ حد تک صحیح اور مقبول ثابت کرنے کے بعد اس پر عمل کرنے کو (**تقویٰ**) کہا جاتا ہے، کہ اس کا بڑا ثواب ہے۔]

احادیث شریفہ کو پڑھ کر اچھی طرح سمجھنے والے مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے اُن احادیث کو پڑھے جنہیں اُس کے مسلک نے دلیل کے طور پر پیش کیاہے، پھراِن احادیث میں مدح کی گئی باتوں پر عمل کرے، منع کئے گئے کاموں سے بچے، دین اسلام کی اہمیت، قدروقیمت جانے، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے اسماء اور اُن کی صفات کے کمالات کو جانے، رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ، فضائل، معجزات کو جانے، دنیا، آخرت، جنت اور جہنم کے احوال، ملائکہ، جنات، گزشتہ اُمتوں، پیغمبروں، کتابوں، قرآنِ کریم اور رسول اللہ ﷺ کی عظمتوں، آپؐ کی آل اور اصحابِ کرام رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن کے حالات، قیامت کی علامات اور ایسی دنیا و آخرت سے متعلقہ بے شمار معلومات حاصل کرے۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث شریفہ میں دنیا اور آخرت سے متعلقہ سب باتیں پائی جاتی ہیں۔

ہماری اِن تحریر کردہ عبارات کو سمجھنے کے بعد بھی اگر کوئی کہتا ہے کہ مجتہدین

کے احادیث شریفہ سے اخذ کردہ دینی احکام کا فائدہ نہیں، تو اُس کے حد درجہ جاہل ہونے میں کوئی شبہہ نہیں رہتا۔ احادیث شریفہ کے بیان کردہ ان گِنت علوم میں، عبادات اور معاملات کو بیان کرنے والی احادیث کی تعداد کم ہیں۔ بعض علماً کے بقول ان کی تعداد پانچ سو ہے۔ [مکرر احادیث کو بھی شمار کیا جائے تو تعداد تین ہزار سے زیادہ نہیں۔] اس قدر کم احادیث شریفہ میں سے کسی صحیح حدیث کے متعلق یہ خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ چار ائمہ مسالک میں سے کسی ایک نے بھی اسے سنا نہ ہو۔ صحیح احادیث کو چار ائمہ مسالک میں سے کم از کم ایک نے ضرور دلیل کے طور پر لیا ہے۔ جب کوئی مسلمان یہ دیکھے کہ اُس کے مسلک میں بیان کردہ عمل کسی صحیح حدیث سے ٹکراتاہے تو اُس پر لازم ہے کہ اس صحیح حدیث کے مطابق کئے گئے دوسرے مسلک کے اجتہادپر عمل کرے۔ ہو سکتا ہے کہ اُس کے اپنے مسلک کے امام نے بھی یہ حدیث شریف سنی ہو، لیکن اس کے خیال میں کوئی اور حدیث جو زیادہ صحیح ہو یا ہو سکتا ہے کہ اُس نے کسی اور حدیث پر عمل کیا جو بعد کی حدیث ہو اور جس نے اس پہلی حدیث کو نسخ کردیا ہو یا ایسے اسباب کی وجہ سے کہ جنہیں مجتہدین جانتے تھے، اُنہوں نے اس حدیث کو دلیل کے طور پر نہ لیا ہو۔ کسی حدیث کے صحیح ہونے کو سمجھنے والے مسلمان کے لئے بہتر ہے کہ وہ اس حدیث شریف کو مسلک کے اُس حکم پر تَرجیح دے جو اس حدیث سے مطابقت نہیں رکھتا، لیکن اس شخص کے لئے لازم ہے کہ وہ اس مسلک کی تقلید کرے جس نے اس حدیث سے حکم اخذ کیا ہو۔ کیونکہ احکام کے دلائل میں سے کوئی ایسی بات جو وہ مسلمان نہیں جانتا، امامِ مسلک نے اُسے جانتے ہوئے اس حَدیث پر عمل کرنے میں کوئی ممانعت نہیں سمجھی۔ اس کے ساتھ ساتھ، اُس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ یہ عمل اپنے مسلک کے مطابق سر انجام دے۔

کیونکہ امامِ مسلک کا یہ اجتہاد، ضرور کسی مضبوط دلیل پر اساس رکھتا ہے۔ مقلدین کے لئے اس دلیل کو نہ جاننا اسلامیت میں عذر شُمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ چار ائمہ مسالک میں سے کوئی بھی اجتہاد کرتے ہوئے کتاب و سنت سے علیحدہ نہیں ہوئے۔ اِن کے مَسالک دراصل قرآن و سنت کی وضاحتیں ہیں۔ اُنہوں نے کتاب اور سنت کے معانی اور احکام مسلمانوں پر کھول کر بیان کر دیئے ہیں۔ اُنہیں اس شکل میں سمجھا یاجس کو وہ سمجھ سکیں،اور انہیں کتابی شکل دے دی۔ ائمہ مسالک رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے یہ کام، دین اسلام کے لئے ایسی بڑی اور معظم خدمت ہے کہ اگر اللہ تعالٰی اُن کی مدد نہ کرتا تو، کسی انسان کی مجال نہ تھی کہ وہ یہ کام کر پائے۔ یہ مسالک اُن قوی ترین وثیقہ جات میں سے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے حق پیغمبر ہونے اور دینِ اسلام کی سچائی بیان کرتے ہیں۔

ہمارے آئمہ دین کا اپنے اجتہادات میں ایک دوسرے سے اِختلاف، صرف فروع دین، یعنی فقہی مسائل میں ہے۔ اُصولِ دین میں یعنی علومِ اعتقاد اور ایمان میں قطعی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اُن اَحادیث شریفہ سے ماخذ فروعی معلومات میں بھی کوئی اختلاف نہیں پایا جاتاجن کا دین میں ہونا ضروری سمجھا گیا اور جن کے دلائل تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ علومِ فروعِ دین میں سے بعض میں ان کے مابین اختلاف نظر آتا ہے۔ اِس کا اصل سبب یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے دلائل کی قوت کو سمجھنے میں آپس میں اختلاف کیا ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے اختلافات بھی دراصل اس امت کے لئے رَحمت ہیں۔ مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی پسند کا اور آسانی والا مسلک اپنا لیں ۔ رسول اللہ ﷺ نے اس اختلاف کو رحمت قرار دیا تھا اور ایسا ہی ہوا۔

قرآن کریم میں اور احادیث شریفہ میں وَاضح طور پر بیان کر دی گئی اعتقاد کی

معلومات، یعنی وہ چیزیں کہ جن پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور فقہی معلومات پر اجتہاد کرنا جائز نہیں۔ ایسا کرنا ضلالت اور گمراہی کے راستے پر لے جائے گا۔ گناہ کبیرہ ہو گا۔ اعتقاد کی معلومات کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ اور وہ راستہ **(اہلِ سنت والجماعت)** کا مَسلک ہے۔ احادیث شریفہ میں رحمت قرار دیا گیا اختلاف فروعات میں یعنی احکامات میں اختلاف مراد لیا گیا ہے۔

چار مسالک کے عملی احکامات میں اختلافات کے معاملے میں، اِن میں صرف ایک کا حکم صحیح ہے۔ اس صحیح حکم کی تقلید کرنے والوں کے لئے دو ثواب، جبکہ غیر صحیح کی تقلید کرنے والوں کے لئے ایک ثواب ہے۔ مسالک کا رحمت قرار دیا جانا، ایک مسلک کو چُھوڑ کر دوسرے مَسلک کے عملی حکم کی تقلید کا جائز ہونا ثابت کرتا ہے۔ لیکن چار مَسالک کے علاوہ، اہلِ سنت میں سے کوئی اور مسلک حتیٰ اصحابِ کرامؓ کی تقلید کرنا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ اُن کے مسالک کتابوں میں تحریر نہیں کئے گئے اور بھلا دیئے گئے ہیں۔ مشہور چار مسالک کے علاوہ کسی اور کی تقلید کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اَصحابِ کرامؓ کی تقلید کے جائز نہ ہونے کے متعلق علمائے دین کے متفقہ بیان کو، امام ابو بکر رازی رَحمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی[۱] نے خبر دی ہے۔ مسالک اور مجتہدین بالخصوص چار ائمہ مسالک کے فضائل کو سمجھنے کے لئے اور یہ سمجھنے کے لئے کہ یہ مسالک کتاب سنت سے باہر نہیں اور اجماع و قیاس سے جو بھی احکامات دیئے گئے ہیں اپنی ذاتی رائے سے نہیں دیئے گئے، اس حقیقت کو بہتر طور پر سمجھنے کی خواہش رکھنے والے لوگوں کو ہم امام عبد الوہاب شعرانی رَحمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی **(میزانُ الکبریٰ)** اور **(میزان الخضریہ)** نامی کتب پڑھنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ **(حُجۃُ اللہ عَلَی العَالَمِین)** کی

---

(۱) ابو بکر احمد رازی، متوفی ۳۷۰ھ [۹۸۰ء]۔

کتاب سے کیا جانے والا ترجمہ یہاں مکمل ہوا۔ مندرجہ بالا بیانات، اصل عربی تحریر سے ترجمہ کئے گئے ہیں۔ ہماری تمام دیگر مطبوعات کی طرح یہاں بھی، دُوسری کتب سے لئے گئے حوالہ جات کو [ ] کے اندر قلمبند کئے گئے ہیں تاکہ یہ حوالہ جات اصل تحریر کے ساتھ گڈمڈ نہ ہو ں۔ (حُجّۃ اللہ عَلَی العَالَمِین) نامی کتاب سے لی گئی مندرجہ بالا اقتباس کا اصل عربی متن، ۱۳۹۴ھ [۱۹۷۴ء] میں آفسٹ پرنٹ کے ذریعے استنبول میں طبع کیا گیا۔

(قرآن کریم میں علمائے دین نہیں کہا گیا) کہنا ٹھیک نہیں ہے۔ مختلف آیات میں علماً اور علم کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حضرت عبد الغنی نابلوسی اپنی کتاب (حدیقہ) میں بیان کرتے ہیں:

سورۃ الانبیاً کی ساتویں آیت کریمہ میں (سو پوچھ لو اہل ذکر سے، اگر تم نہیں جانتے!)ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ذکر سے مراد علم ہے۔ اس آیت کریمہ میں بے علموں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اہل علم کو ڈھونڈکر اُن سے پوچھیں اور علم حاصل کریں۔ سورۃ آل عمران کی ساتویں آیت کریمہ میں (تشابہ آیات کے معانی صرف اہل علم جانتے ہیں) اور ۱۸ ویں آیت میں (گواہی دی خود اللہ نے اس بات کی کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی) اور سورۃ القصص کی ۸۱ ویں آیت میں (اور کہنے لگے وہ لوگ جنہیں دیا گیا تھا علم، افسوس ہے تم پر، اللہ کا ثواب کہیں بہتر ہے اُس شخص کے لئے جو ایمان لائے اور کرے نیک عمل اور نہیں ملتی یہ نعمت مگر صبر کرنے والوں کو) اور سورۃ الرُّوم کی ۵۶ ویں آیت میں (اور کہیں گے وہ لوگ جنہیں عطا کیا گیا ہے علم اور ایمان، بے شک رہے ہو تم نوشتۂ الٰہی کے مطابق روزِ حشر تک، پس یہی ہے روزِ حشر لیکن تم جانتے نہ تھے) اور سورۃ الاسریٰ کی

۱۰۷ ویں اور ۱۰۸ ویں آیات میں (یقینا وہ لوگ جنہیں دیا گیا تھا علم اس سے پہلے جب تلاوت کیا جاتا ہے یہ اُن کے سامنے تو گر جاتے ہیں وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں ۔ اور پکار اُٹھتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا رب یقینا ہے وعدہ ہمارے رب کا، ضرور پورا ہوکر رہنے والا) اور سورۃ الحج کی ۵۴ ویں آیت میں (اور اس لئے بھی کرتا ہے کہ جان لیں وہ لوگ جنہیں دیا گیا ہے علم کہ بے شک قرآن حق ہے تیرے رَب کی طرف سے) اور سورۃ العنکبوت کی ۴۹ ویں آیت میں (در اصل قرآن، آیاتِ بینات ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جنہیں دیا گیا ہے علم اور نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا، مگر ظالم) اور سورۃ سبأ کی چھٹی آیت میں (اور جانتے ہیں وہ لوگ جنہیں دیا گیا تھا علم کہ جو بھی نازل کیا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے وہ سراسر حق ہے اور رہنمائی کرتا ہے اس راستے کی طرف جو غالب اور تمام خوبیوں کے مالک کا ہے) اور سورۃ المجادلۃ کی ۱۱ ویں آیت میں (بلند کرتا ہے اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے تم میں سے۔ اور ان کو جنہیں دیا گیا ہے علم، درجوں کے اعتبار سے) اور سورۃ فاطر کی ۲۸ویں آیت میں (بس ڈرتے ہیں اللہ سے تو اس کے وہ بندے جو (اللہ کی ذات وصفات کا) علم رکھتے ہیں) اور سورۃ الحجرات کی ۱۳ ویں آیت میں (بلاشبہ تم میں سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے) ارشاد فرمایا گیا ہے۔

(حدیقہ) نامی کتاب کے ۳۶۵ ویں صفحہ پر بیان کردہ احادیث شریفہ میں، (اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور ہر جاندار، اُس کے لئے دعا کرتے ہیں جو انسانوں کو خیر سکھاتا ہے) اور (روزِ قیامت سب سے پہلے پیغمبر، پھر علمأ اور پھر شہدأ شفاعت کریں گے) اور (اے لوگو! جان لو کہ علم، عالم کی زبان سے سن کر حاصل کیا جاتا ہے)، (علم حاصل

کرو! علم حاصل کرنا عبادت ہے۔ علم سکھانے والے اور سیکھنے والے کے لئے جہاد کا ثواب ہے۔ علم سکھانا صدقہ دینے جیسا ہے۔ عالم سے علم سیکھنا، تہجد کی نماز اَدا کرنے جیسا ہے) ارشاد فرمایا گیا ہے۔ فتاویٰ کی کتاب(**خلاصہ**) کے مؤلف طاہر بخاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی[۱] کہتے ہیں کہ: (فقہ کی کتاب کا پڑھنا راتوں کو نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب کا موجب ہے)۔ کیونکہ، فرض وحرام [علمأ سے یا اُن کی تالیف کردہ] کتابوں سے سیکھنا فرض ہے۔ خود عمل درآمد کرنے اور دوسروں کو سکھانے کی نیت سے فقہ کی کتب پڑھنا، تسبیح نماز پڑھنے سے بڑھ کر ثواب کا مُوجب ہے۔ احادیث شریفہ میں، (**علم سیکھنا، سب نفلی عبادات سے بڑھ کر ثواب کا حامل ہے۔ کیونکہ اِس میں خوداُس کے لئے اور اُن لوگوں کے لئے فائدہ ہے جنہیں وہ سکھائے گا**) اور (**دوسروں کو سکھانے کی نیت سے علم حاصل کرنے والے کو صدیقوں کا ثواب دیا جاتا ہے**) ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات، کسی استاد سے اور کتاب سے سیکھی جاتی ہیں۔ وہ لوگ جھوٹے اور زندیق ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اسلامی کتب اور رہبر کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ مسلمانوں کو فریب دیتے اور فلاکت کی راہ پر لے جاتے ہیں۔ دینی کتب میں بیان کردہ تعلیمات، قرآن و حدیث سے اخذ کی گئی ہیں۔ (**حدیقہ**)[۲] سے کیا گیا ترجمہ یہاں ختم ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو، قرآن کریم کی تبلیغ کرنے اور سکھانے کے لئے مبعوث فرمایا۔ اصحابِ کرامؓ نے قرآنِ کریم کے علوم رسول اللہ ﷺ سے سیکھے۔ علمائے دین نے یہ علوم اصحابِ کرامؓ سے سیکھے۔ جملہ مسلمان نے یہ علوم علمائے دین سے اور اُن کی کتابوں سے سیکھے۔ احادیث شریفہ میں، (**علم خزانہ ہے۔ اس کی کنجی،**

---

(۱) طاہر بخاری، متوفی سنہ ۵۴۲ ھ [سنہ ۱۱۴۷ء]۔

(۲) حدیقہ کے مؤلف عبدالغنی نابلوسی، متوفی سنہ ۱۱۴۳ ھ [سنہ ۱۷۳۱ء]۔

سوال کرکے سیکھنا ہے) اور (علم سیکھو اور دوسروں کو سکھائو!) اور(ہر شے کاایک سرچشمہ ہے۔ تقویٰ کا سرچشمہ عارفین کے قلوب ہیں) اور (علم کا سکھانا، گناہوں کا کفارہ ہے) ارشاد فرمایا گیا ہے۔

امام ربانی رَحْمَۃ اللّٰہِ عَلَیْہِ اپنی کتاب (مکتوبات) کی پہلی جلد، ۱۹۳ ویں مکتوب میں بیان فرماتے ہیں:

ہر مکلف، یعنی عقلی بالغ شخص کا پہلے اپنا ایمان، اعتقاد درست کرنا لازمی ہے۔ یعنی علمائے اہلِ سنت کی تحریر کردہ عقائد کی تعلیمات کو سیکھنا اور اِن پر صحیح طرح سے ایمان لانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ، اُن عظیم علمأ کے کاموں پر اُنہیں کثرت سے ثواب عطا فرمائے! آمین۔ قیامت میں جہنم کے عذاب سے نجات ملنا، اُن ہی کی تعلیمات پر ایمان لانے سے ممکن ہے۔ جہنم سے نجات پانے والے وہی ہونگے جو اُن کے راستے پر چلنے والے ہیں۔ [اُن کے راستے پر چلنے والوں کو(سُنّی) کہا جاتا ہے۔] رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحابِ کرام رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن کے راستے پر چلنے والے صرف یہی لوگ ہیں۔ کتاب، یعنی قرآن کریم سے اور سنت، یعنی احادیث شریفہ سے لی جانے والی معلومات میں سے اہم ترین اور صحیح ترین معلومات وہی ہیں، جو اِن عظیم علمأ نے کتاب اور سنت کو سمجھ کر اِن میں سے اخذ کی اور بیان کی ہیں۔ کیونکہ، ہر اہل بدعت، یعنی ہر اصلاح پسند، ہر (گمراہ) اوربے مذہب شخص، اپنی ناقص عقل کو استعمال کرتے ہوئے، اُپنی غلط افکار کا ماخذ کتاب و سنت ہی بتاتا ہے۔ علمائے اہلِ سنت کو گرانے اور چھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ، ہر اُس تحریرپر، جس کے بارے میں کہا جائے کہ اسے کتاب و سنت سے اخذ کیا گیا ہے، اعتبار نہیں کرلینا چاہیئے، سنہرے پروپیگنڈوں سے فریب نہیں کھانا چاہیئے۔

علمائے اہلِ سنت والجماعت کی بیان کردہ صحیح اعتقاد کی وضاحت کے لئے عظیم عالم حضرت تورپشتی کی فارسی کتاب (**المعتمد**) بڑی گراں قدر ہے اور بڑی وضاحت سے تحریر کی گئی ہے۔ بڑی آسانی سے سمجھ آجاتی ہے۔ [(**حقیقت کتاب گھر**) نے ۱۴۱۰ھ [۱۹۸۹ء] میں شائع کی تھی۔ فضل اللہ بن حسن تورپشتی، حنفی فقہ کے علمأ میں سے تھے۔ آپ نے ۶۶۱ھ [۱۲۶۳ء] میں وفات پائی۔]

وہ معلومات جن پر ایمان لانا ضروری ہے یعنی عقائدی علوم کی اصلاح کے بعد، (**حلال**)، (**حرام**)، (**فرض**)، (**واجب**)، (**سنت**)، (**مندوب**) اور (**مکروہ**) چیزیں، علمائے اہلِ سنت کی تحریر کردہ فقہی کتب سے سیکھنا اور ان پر عمل کرنا لازمی ہے۔ اِن علمأ کی فضیلت کو نا سمجھنے والے جہلأ کی گمراہ کن کتابیں نہیں پڑھنا چاہیئے۔ اللہ محفوظ رکھے! اعتقاد رکھنے والی چیزوں پر اہلِ سنت کے مسلک کے مطابق ایمان نہ رکھنے والے مسلمان، آخرت میں جہنم میں داخل ہونے سے بچ نہ پائیں گے۔ درست ایمان والے شخص کی عبادات میں کچھ کمی واقع بھی ہو جائے اوروہ توبہ نہ بھی کرے تو بھی اُس کی معافی ممکن ہے۔ معافی نہ بھی ہو تو عذاب جھیلنے کے بعد جہنم سے نجات پا جائے گا۔ ہر کام کی بنیاد، اعتقاد کی اصلاح ہے۔ خواجہ عبید اللہ احرار قَدَّسَ اللّٰہُ تَعَالٰی سِرَّہُ الْعَزِیْز[۱] فرماتے ہیں کہ: (سارے کشف، ساری کرامات مجھے دے دی جائیں، لیکن اہلِ سنت والجماعت کا اعتقاد مجھے نہ دیا جائے تو میں خود کو خسارے میں جانوں گا۔ میرے کشف و کرامت نہ ہوں اور میری قباحتیں بھی بہت زیادہ ہوں، لیکن مجھے اہلِ سنت والجماعت کا اعتقاد احسان کردیا جائے تو میں ذرا بھی دُکھی نہ ہوں گا۔)

آج، مسلمانانِ ہند بے یارومددگار ہیں۔ دُشمنانِ دین ہر جانب سے حملہ کررہے

---

(۱) عبیداللہ احرار، ۸۹۵ھ [۱۴۹۰ء] سمرقند میں وفات پائی۔

ہیں۔ آج اسلام کی خدمت کے لئے دیا گیا ایک روپیہ، کسی اور وقت میں دیئے گئے ہزاروں روپوں سے بڑھ کر ثواب کا حامل ہے۔ اسلام کی خاطر آج سب سے بڑی خدمت یہ ہوگی کہ اہلِ سنت کی کتابیں، ایمان اور اسلام کی کتابیں خرید کر، دیہاتوں میں، نوجوانوں میں تقسیم کیا جائے۔ جس خوش قسمت اور بختیار کو یہ خدمت نصیب ہو، اُس کے لئے خوشی کا باعث ہے۔ انتہائی شکر ادا کرے۔ اسلام کی خدمت کرنا ہردم ثواب ہے۔ لیکن ایسے وقت میں کہ جب اسلام کمزور پڑا ہو، جھوٹ اور افترآ سے اسلامیت کو ختم کی جانے کی کوشش کی جارہی ہو، اہلِ سنت کے اعتقاد کی نشرو اشاعت کے لئے کوشش کرنا، کئی گنا زیادہ ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا؛ **(تم لوگ ایسے وقت میں آئے ہو کہ، اللہ تعالٰی کے اوامر اور نواہی کے دس میں سے نو حصے پر عمل کرو لیکن دس میں سے ایک پر عمل نہ کرو تو ہلاک کردیئے جائو گے۔ تم عذاب پائو گے! تمہارے بعد ایک ایسا وقت آئے گا جب اوامر اور نواہی کے صرف دسویں حصے پر عمل کرنے والا نجات پا جائے گا)۔** [(**مشکوٰۃ المصابیح**) جلد اوّل، ۱۷۹ ویں صفحہ پر اور ترمذی کی کتاب الفتن کی ۷۹ ویں نمبر پر موجود ہے۔] اس حدیث شریف میں بیان کردہ وقت، بس یہی زمانۂ حال ہے۔ کافروں کے خلاف جہاد کرنا، مسلمانوں پر یلغار کرنے والوں کی پہچان کرنا لازمی ہے، اُن سے محبت نہیں رکھنا چاہیئے۔ [قوت کا استعمال کرتے ہوئے جہاد حکومت کرتی ہے۔ حکومت کی عَسکری قوّت کرتی ہے۔ مُسلمانوں کے لئے ایسا جہاد کرنا اُس وقت ممکن ہے جب اُنہیں بحیثیت عسکر حکومت کی جانب سے یہ وظیفہ دیا گیا ہو۔ جہادِ قولی کاجہادِ قتلی سے، یعنی زبان اور تحریر سے کئے جانے والے جہادکا، قوّت سے سرانجام پائے جانے والے جہاد سے زیادہ مفید ہونے کے متعلق، ۶۵ ویں مکتوب میں بیان کیا گیا ہے۔]

علمائے اہلِ سنت کی کتب کو، اُن کے ارشادات کو عام کرنے کے لئے کوئی صاحب کرامت ہونا ضروری نہیں یا کوئی شرط نہیں کہ وہ عالم فاضل ہی ہو۔ ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ اس کام کی کوشش کرے۔ اُسے چاہیئے کہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دے۔ روز قیامت ہر مسلمان کو اس کے متعلق پوچھا جائے گا، سوال ہوگا کہ تم نے اسلام کی خدمت کیوں نہ کی؟ بڑاعذاب ہوگا اُن لوگوں کو جو علمی کتابوں کی نشرو اشاعت میں کوشش نہیں کرتے، دینی علوم کی اشاعت کرنے والے اداروں کی اور ایسے لوگوں کی مدد نہیں کرتے۔ اُن کا کوئی عذر، کوئی بہانہ کام نہ آئے گا۔ رسول اللہ ﷺ جو خیر البشر ہونے، اور سب سے افضل ہونے کے باوجود کبھی آرام سے نہ بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ کے دین اور اَبدی راہِ سعادت کی تلقین کے لئے دن رات کوشاں رہے۔ اُن لوگوں کو جو آپؐ سے معجزات کی طلب رکھتے تھے یوں ارشاد فرمایا: **(معجزات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ میرا وظیفہ یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دوں)**۔ اس راہ میں جدوجہد کے دوران اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے معجزات احسان فرمائے جن سے آپکو مدد ملی۔ ہمارے لئے بھی لازم ہے کہ ہم علمائے اہلِ سنت رَحِمَهُمُ اللّٰهِ تَعَالٰی کی کتب، اُن کے ارشادات کی نشرو اشاعت کے ساتھ ساتھ کفار، دشمنوں، مسلمانوں کو افترآ اور تشدد کا نشانہ بنانے والوں کے متعلق بھی اپنے نوجوانوں، دوستوں کو بتائیں کہ وہ کس قدر بُرے، ہیچ اور جھوٹے ہیں۔ [اِن کے متعلق بتانا کوئی غیبت نہیں۔ امر معروف ہوگا۔] اس راہ میں اپنے مال، اپنی قوت یا اپنے ہنر سے گریز کرنے والا عذاب سے نہ بچ پائے گا۔ اس راہ پر کام کرتے ہوئے جھیلی گئی پریشانیوں، شکنجہ آزمائیوں کو بڑی سعادت اور بڑافائدہ سمجھنا چاہیئے۔ رسول اللہ ﷺ جب اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیتے تو جاہلوں اور بدبختوں کے حملوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ بڑی

تکالیف جھیلنی پڑتیں۔ وہ عظیم ترین انسان، وہ جو چنے گئے تھے، وہ جو اللہ تعالیٰ کے حبیب محمد مصطفٰے ﷺ ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: **(کسی پیغمبرؑ نے ایسی اذیتیں نہیں اٹھائیں، جیسی کہ میں نے)**۔ **(مکتوبات)** کا ترجمہ یہاں مکمل ہو گیا۔

[ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ اہلِ سنت کے اعتقاد کو سیکھے اور اُن لوگوں کو سکھائے جنہیں وہ اپنی بات سنا سکتا ہے۔ علمائے اہلِ سنت کے ارشادات پر مبنی کتب اور رسائل ڈھونڈے، خریدے، اُنہیں نوجوانوں اور اپنے جاننے والوں کو بھیجے۔ کوشش کرے کہ وہ انہیں پڑھیں۔ دشمنانِ اسلام کے حقیقی روپ کو اجاگر کرنے والی کتابوں کو بھی ایسے ہی پھیلانا چاہیئے]۔

سرزمین پر پائے جانے والے سارے مسلمانوں کو سیدھا راستہ دکھانے والے اور محمد ﷺ کے لائے دین کو، بلا تغیر و تبدل ہمیں سمجھانے والے ہمارے رہبر، **(علمائے اہلِ سنت)** اور چار مَسالک کے بلند درجہ علمائے مجتہدین ہیں۔ اِن میں سب سے عظیم، چار ذواتِ عالیہ ہیں، اِن میں پہلے، **امامِ اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت** رَحِمَہُ اللّٰہُ تعَالٰی ہیں۔ اِن کا شمار سب سے بڑے علمائے اسلام میں ہوتا ہے۔ اہلِ سنت کے سردار ہیں۔ اِن کے حالات **(سعادت ابدیہ)** اور **(مفید معلومات)** کی کتب میں تفصیلا ترجمہ کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ آپ سنہ ۸۰ ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۵۰ ھ [سنہ ۷٦۷ ء] میں بغداد میں آپؒ کو شہید کر دیا گیا۔

دوسرے، **امام مالک بن انس** رَحِمَہُ اللّٰہُ تعَالٰی ہیں۔ آپؒ بہت بڑے عالم تھے۔ آپ سنہ ۹۰ ھ میں مدینہ شریف میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۷۹ ھ [سنہ ۷۹۵ ء] میں یہیں وفات پائی، ابن عابدین کے مطابق آپؒ نے ۸۹ سال کی عمر پائی۔ آپؒ کے دادا مالک بن ابی عامر تھے۔

تیسرے، **امام محمد بن ادریس شافعی** رَحِمَہُ اللّٰہُ تعَالٰی۔ آپؒ علمائے اسلام کی آنکھ کا

نور ہیں۔ آپؒ کی ولادت ۱۵۰ ھ میں فلسطین کے شہر غزہ میں ہوئی اور ۲۰۴ ھ [۸۲۰ء] میں مصر میں انتقال فرمایا۔

چوتھے، **امام احمد بن حنبل** رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ہیں۔ آپؒ کی ولادت ۱۶۴ ھ میں بغداد میں ہوئی اور یہیں ۲۴۱ ء میں وفات پائی۔ آپؒ عمارتِ اسلام کا بنیادی ستون ہیں۔ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن ۔

آج، اگر کوئی شخص اِن چار ائمہ میں سے کسی ایک کی پیروی نہیں کرتا تووہ بڑے خطرے میں ہے۔ وہ سیدھے راستے سے بھٹک چکا ہے۔ اِن کے علاوہ اور بہت سے علمائے اہلِ سنت ہیں۔ اُن کے مسلک بھی سچے تھے۔ لیکن وقت کے ساتھ اُن کے مسالک بھلا دیئے گئے ۔ کتابوں میں تحریر نہیں کئے گئے۔ مثلاً مدینہ کے سات بڑے علماً جو(فقہاً سبعہ) کے نام سے مشہور ہوئے، **اورخلیفہ عمر بن عبدالعزیز، سفیان بن عیینہ**[1]، **اسحاق بن راہویہ، دائود طائی، عامر بن شراحیلِ شعبی، لیث بن سعد، عامش، محمد بن جریر طبری، سفیان ثوری**[2] **اور عبدالرحمان اوزئی** رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنہی میں سے ہیں۔

سارے اصحابِ کرامؓ راہِ حق پر چلنے والے اور ہدایت کے ستارے تھے۔ اِن میں سے ہر کوئی، پوری دنیاکو سیدھے راستہ پر لانے کے لئے کافی تھا۔ وہ سب مجتہد ین تھے۔ سب اپنے مسلک پر قائم تھے۔ زیادہ تر کے مسالک ایک دوسرے سے مماثل تھے۔ لیکن اُن سب کے مسالک جمع نہ کئے گئے اور کتابی شکل میں تحریر نہ کئے جانے کی وجہ سے، اُن کی تقلید کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ چاروں مسالک کے ائمہ کرامؒ نے بذات خود اور اُن کے طلباً نے ایمان اور اعمال پر مبنی سب باتیں جمع کردیں اور

---

(1) سفیان بن عیینہ، ۱۹۸ ھ [۸۱۳ء] مکہ میں وفات پائی۔

(2) سفیان ثوری، ۱۶۱ ھ [۷۷۸ء] بصرہ میں وفات پائی۔

اُن کی وضاحت فرمادی۔ اُنہیں کتابی شکل دے دی۔ آج ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اِن چار ائمہ کرامؒ میں سے کسی ایک کی اتباع کرے، اس مسلک کی پیروی کرکے زندگی گزارے اور عبادت کرے۔ [اِن چار مسالک میں سے کسی کی اتباع نہ کرنے والا (**اہلِ سنت**) نہیں ہے۔]

اِن چار ائمہ کرامؒ کے طلبأ میں سے دونے، ایمانی علوم کو پھیلانے میں بڑی عظمت پائی۔ اس طرح، اعتقاد میں، ایمان میں دو مسلک ہوئے۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ کے مطابق، موزوں اور صحیح ایمان وہی ہے جو اِن دونوں نے بیان فرما دیا۔ فرقۂ ناجیہ یعنی اہلِ سنت کے ایمانی علوم کو اس زمین پر پھیلانے والے یہی دونوں ہیں۔ اِن میں سے پہلے **ابو الحسن اشعری** رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ہیں، آپؒ کی ولادت سنہ ۲٦٦ ھ میں بصرہ شہر میں ہوئی اور سنہ ۳۳۰ ھ [سنہ ۹۴۱ ء] میں بغداد میں وفات پائی۔ جبکہ دوسرے **ابو منصور ماتریدی** رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ہیں، آپنے سنہ ۳۳۳ ھ [سنہ ۹۴۴ ء] میں ثمرقند شہر میں وفات پائی۔ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اعتقاد کی رو سے اِن دوائمہ کرامؒ میں سے کسی ایک کی پیروی کرے۔

اولیأ کی راہیں سچی ہیں ۔ اسلامیت سے بال برابر بھی تضاد نہیں پایا جاتا۔ [دین کو، دنیا کے حصول کا وسیلہ بنانے والے، مال و مقام حاصل کرنے کے لئے خود کو ولی، مرشد اور عالمِ دین کے روپ میں ظاہر کرنے والے جھوٹے اور گمراہ ہرزمانے میں موجود تھے۔ آج بھی، ہر پیشہ میں، ہر فن میں اور ہر وظیفہ پر بُرے لوگ پائے جاتے ہیں۔ اپنی کمائی اور اپنے ذوق کو دوسروں کے نقصان میں تلاش کرنے والوں کو دیکھ کر، اُسی وظیفے یا پیشے پر فائز دیگرسب لوگوں پر کیچڑ اچھالنا، حق تلفی اور جاہلیت ہو گی ۔ ایسا کرنا شرارتی لوگوں کی مدد ہو گی۔ اس لئے، گمراہ عالمِ دین کودیکھ کر، جاہل اور خود

ساختہ اہل طریقت اشخاص کو دیکھ کر، حقیقی علمائے اسلام پر، اہل تصوف پر اورایسی ذوات پر زبان درازی نہیں کرنا چاہیئے جن کی خدمات نے تاریخ کے سنہری صفحات کو بھر رکھا ہے۔ ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اُن پر زبان درازی کرنے والے اُن کی حق تلفی کرتے ہیں۔] اولیاً صاحبِ کرامت ہوتے ہیں۔ سب حق پر اور سچے ہیں۔ امام یافعیؒ[۱] ارشاد فرماتے ہیں کہ (غوث الثقلین مولانا عبدالقادر جیلانی قَدَّسَ اللّٰہُ تَعَالٰی سِرَّہُ الْعَزِیْز[۲] کی کرامات، زبان اززبان اس قدر پھیل چکی ہیں کہ اُن پر شبہہ کرنا، اُن پر یقین نہ کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ ہر جگہ پھیل جانا، یعنی [تواتر] کو سند شمار کیا جاتا ہے)۔

صرف دوسروں کی تقلید کرتے ہوئے کسی ایسے نمازی کو کافر کہنا اُس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ کھلم کھلااور بلا ضرورت ایسی بات کرے جو کفر پر مبنی ہو۔ کسی پر لعنت اُس وقت تک نہیں بھیجی جا سکتی جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اُس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے۔ حتیٰ کسی کافر پر بھی لعنت بھیجنا جائز نہیں۔ اسی لئے، یزید پر لعنت نہ بھیجنا زیادہ بہتر ہے۔]

۵۔ ایمان کے لئے لازمی اِن چھ ارکان میں سے پانچواں: **(آخرت کے دن پر ایمان لانا ہے)**۔ اس وقت کا آغاز، انسان کی موت کا دن ہے۔ قیامت کے قیام تک ہے۔ اِسے یوم آخر کہنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی رات نہ آئے گی، یا پھر اس لئے کہ یہ دن دنیا کی اخیر کے بعد آنے والاہے۔ حدیث شریف میں بیان کردہ یہ دن، ہمارے دن رات جیسا ہر گز نہیں۔ وقت سے مراد ایک زمانہ ہے۔ قیامت کب آئے گی، اس کے متعلق کوئی خبر نہیں دی گئی، اُس کے وقت کے متعلق بھی کوئی نہ

---

(۱) عبداللہ یافعیؒ، ۷۶۸ سنہ ھ [۱۳۶۷ سنہ ء] مکہ میں وفات پائی۔

(۲) عبدالقادر جیلانیؒ، ۵۶۱ سنہ ھ [۱۱۶۱ سنہ ء] بغداد میں وفات پائی۔

جان سکا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی کئی ایک علامات اور قربِ زمان کے متعلق خبر دی ہے: حضرتِ مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور، حضرت عیسیٰ کا آسمان سے دمشق میں اترنا، دجال کا نکلنا۔ یاجوج ماجوج نامی مخلوقات کا ہر جگہ پھیل جانا، سورج کا مَغرب سے طلوع ہونا، بڑے بڑے زلزلوں کا وقوع پذیر ہونا۔ دینی علوم کا بھلا دیا جانا، فسق و فجور کا عام ہو جانا، بے دین، بداخلاق، بے حیا لوگوں کا حکم چلے گا، اللہ تعالیٰ کے احکامات پر پابندی ہوگی۔ ہر جگہ حرام کا دوردورہ ہوگا، یمن سے ایک آگ اُٹھے گی۔ آسمان اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ چاند اور سورج بجھ جائیں گے۔ سمندر ایک دوسرے میں مل جائیں گے اوراُبل کر خشک ہو جائیں گے۔

گناہ کے مرتکب مسلمانوں کو (**فاسق**) کہا جاتا ہے۔ فاسقوں اور کافروں کے لئے قبر کا عذاب ہے۔ اِس پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ احادیث شریفہ میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ، مَردے کو قبر میں اتار دیئے جانے کے بعداُسے ایک نامعلوم حیات میں اٹھایا جائے گا، وہاں پروہ آرام یا عذاب دیکھے گا۔ منکر اور نکیر نام کے دو فرشتے اَنجانی اورنہایت خُوفناک انسانی شکل میں قبر میں آکر سوالات کریں گے۔ بعض علمأ کے نزدیک قبر کا سوال، عقائدمیں سے بعض کے متعلق کیا جائے گا جبکہ بعض علمأ کا خیال ہے کہ یہ سوال جملہ عقائد سے متعلق ہوگا۔ [اس لئے ہمیں چاہیئے کہ اپنے بچوں کو (تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ تم کس کی اُمت سے ہو؟ تمہاری کتاب کونسی ہے؟ تمہارا قبلہ کہاں ہے؟اعتقاد میں اور اعمال میں تمہارا مسلک کیا ہے؟) جیسے سوالات کے جوابات سکھانے چاہیئے! (**تذکرۂ قرطبی**)[1] میں بیان کیا گیا ہے کہ، غیرِاہلِ

---

(۱) تذکرہ کے مؤلف محمد قرطبی مالکی، متوفی ۶۷۱ سنہ ھ [۱۲۷۲ء]۔ حقیقت کتاب گھر کی جانب سے مختصر تذکرۂ قرطبی ۱۴۲۱ سنہ ھ [۲۰۰۰ء] میں مکرر طبع کی گئی۔

سنت کے لئے صحیح جوابات دینا ممکن نہ ہو گا۔] صحیح جواب دینے والوں کی قبریں کشادہ کر دی جائیں گی، یہاں اُن کے لئے جنت سے ایک کھڑکی کھول دی جائے گی۔ صبح و شام وہ، جنت میں اپنے مقامات دیکھیں گے، ملائکہ اُن کے لئے دعا کریں گے اور اُنہیں مژدے سنائیں گے۔ اگر صحیح جواب نہ دیں گے تو اُنہیں لوہے کے گُرز کی ایسی ضرب لگائی جائے گی کہ اُن کی چیخیں جن و انس کے علاوہ ہر مخلوق سنے گی۔ قبر اس قدر تنگ کردی جائے گی کہ پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جائیں۔ جہنم سے ایک کھڑکی قبر میں کھول دی جائے گی۔ صبح و شام جہنم میں اپنے مقامات کو دیکھیں گے اور اپنی قبروں میں روزِ محشر تک تکلیفیں اور عذاب جھیلیں گے۔ مَرنے کے بعد پھر سے جی اُٹھنے پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ ہڈیاں اور گُوشت گل سڑ کر خاک میں مل جاتی ہیں، گیس میں تبدیل ہو جانے کے بعد بدن دوبارہ تخلیق کئے جائیں گے، روحیں اپنے بدنوں میں داخل ہونگیں، ہر کوئی زندہ ہو کر اپنی قبر سے اُٹھے گا۔ اسی لئے، اس وقت کو **(روز قیامت)** کہا جاتا ہے۔

[پودے ہوا سے کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس اور زمین سے پانی اور نمکیات، یعنی مٹی کے مادوں کو لے کر انہیں آپس میں ملا دیتے ہیں۔ اس طرح، نامیاتی اجسام اور ہمارے اعضاً کے بنیادی مادے پیدا ہوتے ہیں۔ آج ہم اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ سالہا سال کی مدت میں انجام پانے والے کیمیائی ردّ عمل کی تکمیل، کیٹا لسٹ کے استعمال سے ثانیے جیسے کم وقت میں ہوجاتی ہے۔ بس ایسے ہی، اللہ تعالیٰ قبر سے پانی، کاربن ڈائی آکسائیڈ اور دیگرمادے مٹی سے لے کر آپس میں ملا کر، نامیاتی مادے اور جاندار اعضاً ایک ہی پل میں پیدا فرما دے گا۔ دوبارہ ایسے زندہ ہونے کے متعلق مخبرِ صادقؐ نے خبر دی ہے۔ آج یہ سب کچھ دنیا ہی میں سائنس کے علوم کے تحت کیا جا رہا ہے]۔

سب جاندار، (محشر) میں اکٹھے ہونگے۔ ہر انسان کا نامہ اعمال اُڑ کر اپنے مالک کے پاس آئے گا۔ اِسے زمینوں، آسمانوں، ذرّوں، ستاروں کا خالق اور لامتناہی قدرت کا مالک اللہ تعالیٰ کرے گا۔ ان سب کے وقوع پذیر ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ کے رسول محمد ﷺ نے خبر دی ہے۔ آپؐ کی کہی بات بلا شبہ کہ پوری ہوگی۔ بلا شبہ یہ سب ہوکر رہے گا۔ صلحاً اور اچھے لوگوں کے نامہ اعمال دائیں طرف سے دیئے جائیں گے۔ فاسقوں اور بَرے لوگوں کو اُن کے نامہ اعمال پیچھے کی جانب سے یا بائیں جانب سے دیئے جائیں گے۔ ہر کوئی اپنے، اچھے یا بُرے، چھوٹے یا بڑے، پوشیدہ یا کھلے بندوں کئے گئے ہر عمل کو اس نامہ اعمال میں تحریر شدہ پائے گا۔ حتیٰ وہ اعمال جن کا (کراماً کاتبین) تک کو خبر نہ ہوئی، اعضاً کی گواہی سے اور اللہ تعالیٰ کے کہنے سے اُس کے سامنے آ جائیں گے، ہر شے سے سوال کیا جائے گا اور حساب لیا جائے گا۔ روزِ محشر ہر وہ پوشیدہ چیز سامنے لائی جائے گی جسے اللہ تعالیٰ آشکار کرنا چاہے گا۔ ملائکہ سے پوچھا جائے گا، زمینوں اور آسمانوں میں تم نے کیا کیا؟ پیغمبروں صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَتَسۡلِیمَاتُہٗ عَلَیۡہِمۡ اَجۡمَعِیۡن سے سوال کیا جائے گا، تم نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے متعلق اُس کے بندوں کو کیسے بتایا؟ سب بندوں سے سوال کیا جائے گا، تمہیں بتائے گئے وظیفے کو تم نے کیسے پورا کیا؟ اور تم نے آپس کے حقوق کا کیسے خیال رکھا؟ محشر میں وہ لوگ جو صاحب ایمان ہوں گے اور جن کے اعمال اور اخلاق اچھے ہونگے، اچھے مکافات اور احسانات سے نوازے جائیں گے۔ برے اخلاق اور بد اعمال کے مالک لوگوں کو سخت سزائیں دی جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور اِحسان سے جس مومن کو چاہے گا، اُس کے چھوٹے بڑے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ شرک اور کُفر کے سوا، ہر گناہ کو اگر وہ چاہے

معاف فرما دے، اگر چاہے تو اپنی عدالت سے چھوٹے سے چھوٹے گناہ پر بھی سزا دے دے۔ اُس کے ارشاد کے مُطابق وہ شرک اور کفر کی حالت میں مرنے والے کو کبھی معاف نہ کرے گا۔ اہلِ کتاب کافر اور بے کتاب کافر، یعنی وہ لوگ جو محمد ﷺ کو سب انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجے جانے پر ایمان نہیں رکھتے، آپؐ کے بیان کردہ احکام سے، یعنی اوامر اور نواہی میں سے کسی ایک کو بھی پسند نہیں کرتے، بلاشبہ کہ اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ تاابد عذاب جھیلیں گے۔

روزِ قیامت، اعمال کے وزن، کاموں کی پیمائش کے لئے، ہماری سوچ کے احاطہ سے باہر **(میزان)** یعنی پیمائش کا آلہ، ایک ترازو ہوگا۔ ایسا کہ زمین و آسمان اُس کے ایک پلڑے میں سمٹ جائے۔ ثواب کا پلڑا چمکدار اور عرش کی دائیں جانب، جنت کے قریب ہوگا۔ گناہ کا پلڑا تاریک اور عرش کی بائیں جانب، جہنم کے قریب ہوگا۔ اِس کے بارے میں یوں وضاحت فرمائی گئی ہے کہ دنیا میں کئے گئے سب اعمال، باتیں، سوچیں، نظریں، وہاں پر مخصوص شکلوں میں پائی جائیں گی، اچھائیاں چمکدار ہونگیں جبکہ برائیاں تاریک اور بدصورت دکھائی دیں گی، اِن سب کو ترازو میں تولا جائے گا۔ یہ دنیاوی ترازو سے مماثلت نہیں رکھتا۔ اس کا بھاری پلڑا اُوپر اُٹھ جائے گا اور ہلکا پلڑا جھک جائے گا۔ کچھ علمأ رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تعَالیٰ کے مطابق، ترازو کی مختلف اقسام ہوں گی۔ اِن میں سے زیادہ تر کا اصرارہے کہ اِن کی تعداد یا نوعیت کی بابت ہمارے دین میں وضاحت نہیں کی گئی سو اس بارے میں مت سوچا جائے۔

(پُل صراط) ہے۔ یہ پل صراط، اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہنم کے اوپر بنایا جائے گا۔ ہر کسی کو حکم دیا جائے گا کہ اُس پل پر سے گزریں۔ اُس دن سب پیغمبرؑ (یا ربی !ہمیں سلامتی دے!) کہہ کر درخواست کریں گے۔ جنتی لوگ اُس پل کو آسانی سے پار

کرنے کے بعد جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اِن میں سے بعض بجلی کی کوند کی مثل، بعض تند ہوا کی مانند، بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح گزر جائے گا۔ پُل صراط ایک بال سے باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا۔ دنیا میں اسلامیت کے مطابق زندگی گزارنا بھی ایسے ہی ہے۔ زندگی کو اسلامیت کے عین مطابق گزارنے کی کوشش کرنا، پُل صراط سے گزرنے کے مترادف ہے۔ یہاں اپنے نفس سے مجادلہ کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنے والے، صراط کو آسانی اور راحت سے پار کر جائیں گے۔ جو لوگ اسلامیت کے مطابق زندگی نہیں گزاریں گے اور اپنے نفس کے بہکاوے میں آجائیں گے، صراط کو بڑی مشکل سے پار کریں گے۔ اسی لئے، اللہ تعالیٰ نے اسلامیت کے بتائے راستے کو **(صراطِ مستقیم)** کا نام دیا ہے۔ اِس نام کی مماثلت سے ظاہر ہے کہ اسلامیت کے راستے پر چلنا، پُل صراط سے گزرنے کی مثل ہی ہے۔ جہنمی لوگ، پل صراط سے گزر نہ پائیں گے اور جہنم میں گر جائیں گے۔ وہاں ہمارے پیارے پیغمبر محمد مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لئے مختص شدہ **(حوضِ کوثر)** ہے۔ اُس کی لمبائی ایک ماہ کی مسافت جیسی ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، مُشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اُس کے اطراف میں پڑے قدحوں کی تعداد، ستاروں سے زیادہ ہے۔ اسے پینے والا، پھر کبھی پیاس محسوس نہ کرے گا چاہے پھر وہ جہنم میں ہی کیوں نہ چلا جائے۔

(شفاعت) حق ہے۔ توبہ کئے بغیر مرجانے والے مسلمانوں کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی معافی کے لئے، سارے پیغمبرؑ، اولیاؒ، صلحاؒ، ملائکہ اور وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ اجازت مرحمت فرمائے، شفاعت کریں گے اور قبول کرلی جائے گی۔ [ہمارے پیغمبر محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا، **(میں اپنی اُمت میں سے کبیرہ گناہ کے مرتکب لوگوں کی شفاعت کروں گا)**]۔ محشر میں شفاعت پانچ صورتوں میں ہوگی:

پہلی صورت، روزِ قیامت میدانِ محشر کی بِھیڑ میں طویل انتظار سے تنگ آکر گناہگار لوگ فریاد کریں گے کہ اُن کا حساب جلد لیا جائے۔ اس کے لئے اُن کی شفاعت کی جائے گی۔

دوسری صورت، سوالات اور حساب میں آسانی اور جلدی ہونے کے لئے شفاعت کی جائے گی۔

تیسری صورت، گناہ گار مومنین کو، صراط سے گزرتے ہوئے جہنم میں گرنے سے بچانے کے لئے اور جہنم کے عذاب سے بچائو کے لئے شفاعت کی جائے گی۔

چوتھی صورت، اُن مومنین کو جہنم سے نکالنے کے لئے شفاعت کی جائے گی جن کے گناہ زیادہ ہوں گے۔

پانچویں صورت، جنت میں لاتعداد نعمتیں پائی جائیں گی اور وہاں اَبدی قیام کیا جائے گا، اس کے آٹھ درجات ہیں۔ ہر کسی کا درجہ اوراُس کا مقام، اُس کے ایمان اور اعمال کی مقدار کے مطابق ہوگا۔ اہل جنت کے درجات کی بلندی کے لئے شفاعت کی جائے گی۔ جنت اور جہنم کا وجود اب بھی ہے۔ جنت، سات آسمانوں سے اوپر ہے۔ جہنم، ہر شے کے نیچے ہے۔ آٹھ جنتیں اور سات جہنمیں پائی جاتی ہیں۔ جنت، زمین، سورج اور آسمانوں سے زیادہ بڑی ہے۔ جہنم بھی سورج سے بڑی ہے۔

۶۔ ایمان کے لئے لازمی اِن چھ ارکان میں سے چھٹا: (**اچھی اور بری تقدیر کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونے پر ایمان لانا**)۔ انسانوں پر آنے والا خیر یا شر، فائدہ یا نقصان، منافع یا خسارہ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی وجہ سے ہے۔ (**قدر**) کا لغوی معنٰی، کسی بہتات کو ناپنا، حکم اور اَمر دینا ہے۔ بہتات اور بڑا ہونا بھی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کے متعلق اَزل میں چاہنے کو قدر کہا گیا ہے۔ قدر، یعنی کسی چیز کی موجودگی

چاہی گئی اور اِس کا وقوع پذیر ہو جانا **(قضا)** کہلاتا ہے۔ قضا اور قدر کے کلمات کو ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اِس کے مطابق قضا، اَزل سے اَبد تک جن چیزوں کی تخلیق ہونی ہے اُنہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اَزل ہی میں چاہا جانامراد ہے۔ اِن سب چیزوں کا قضا کے مطابق، کچھ کم یا کچھ زیادہ ہوئے بغیر تخلیق کیا جانا قدر کہلاتاہے۔ اللہ تعالیٰ اَزل میں، لامتناہی قبلِ اَزل سے ہی وقوع پذیر ہونے والی ہر شے کا علم رکھتا تھا۔ بس اِس علم کو ہی **(قضا اور قدر)** کہا جاتا ہے۔ قدیم یونانی فلاسفہ نے اسے **(عنائت ازلیہ)** کہا۔ سب مخلوقات اُس قضا سے پیدا ہوئیں ہیں۔ اَزل میں اُس علم کے مطابق پیدا ہونے کو **(قضا اور قدر)** کہا جاتا ہے۔ قدر پر ایمان لانے کے لئے لازم ہے کہ اچھی طرح سے جان لیا اور یقین کرلیا جائے کہ، اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو تخلیق کرنے کا ارادہ اَزل ہی میں کیا اوراس کے ہونے کو چاہا تو، کم یا زیادہ ہوئے بغیر اُس شے کی تخلیق عین ویسے ہی ہوگی جیسا اُس نے چاہا تھا۔ جس چیز کو چاہا اور اُس کا نہ ہونا یاجس چیز کے نہ ہونے کو چاہا اور اس کا ہو جانا، قطعی ناممکن ہے۔

سب حیوانات، نباتات، بے جان [ٹھوس، مایہ، گیس، ستارے، مالیکیول، جوہر، الیکٹرون، برقی مقناطیسی موج، اَلغرض ہر شے کی حرکت، طبعی عمل، کیمیائی رد عمل، مرکزی رد عمل، توانائی کا بہائو، جانداروں میں حیاتی فعلیات]، ہر شے کا ہونا نہ ہونا، بندوں کے اچھے یا برے اعمال، دنیا اور آخرت میں ان کی جزا کا پانا اور ہر شے ازل میں ہی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی۔ اِن سب کو وہ اَزل ہی میں جانتا تھا۔ اِزل سے اَبد تک پیدا کی جانے والی اشیأکو، اُن کی خصوصیات کو، حرکات کواور واقعات کو اَزل میں اپنے علم کے مطابق ہی پیدا فرماتا ہے۔ انسانوں کے اچھے یا برے سب اعمال کو، اُن کے مسلمان ہونے کو، اُن کے کفر کو، رضا مندی یا غیر رضا مندی سے ہونے والے

سب کاموں کو اللہ تعالیٰ ہی تخلیق فرماتا ہے۔ تخلیق کرنے والا اور پیدا کرنے والا صرف وہی ذات ہے۔ اَسباب کی وجہ سے پیدا ہوئی ہر شے کا خالق وہی ہے۔ (وہ ہر **شے کو ایک سبب کے نتیجہ میں پیدا کرتا ہے۔)**

مثلاً، آگ جلاتی ہے۔ حالانکہ جلانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ آگ کا جلانے سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن اُس کی عادت ہے کہ، کسی چیز کو آگ چھوئے بغیر، وہ جلانے کو پیدا نہیں فرماتا۔ [آگ، سُلگانے کی حد تک گرمی پہنچانے سے بڑھ کر کوئی کام نہیں کرتی۔ نامیاتی اجسام کی ساخت میں پائی جانے والی کاربن، ہائیڈروجن کے ساتھ آکسیجن کو ملانے والی، الیکٹرون کا بہائو پیدا کرنے والی آگ نہیں ہے۔ صحیح طرح سے نہ دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ یہ سب آگ نے کیا ہے۔ جلانے والی، جلنے کا رد عمل دکھانے والی آگ نہیں ہے۔ آکسیجن بھی نہیں ہے۔ گرمی بھی نہیں ہے۔ الیکٹرون کا بہائو بھی نہیں ہے۔ جلانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ان سب کواُس نے، جلنے کے اسباب کے طور پر پیدا کردیا ہے۔ کوئی بے علم شخص، یہی خیال کرے گا کہ آگ جلاتی ہے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے والا، (آگ جلاتی ہے) جیسے جملے کو پسند نہیں کرے گا۔ بلکہ وہ کہے گا کہ ہوا جلاتی ہے۔ اوسط درجے کی تعلیم حاصل کرنے والا، اِس بات کو قبول نہ کرے گا اور کہے گا کہ ہوا میں پائی گئی آکسیجن جلاتی ہے۔ کالج کی تعلیم حاصل کرنے والا کہے گا کہ جلانا آکسیجن کے لئے مخصوص نہیں۔ ہر وہ عنصر جو الیکٹرون کھینچے وہ جلانے والا ہوتا ہے۔ جبکہ یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرنے والا مادے کے ساتھ ساتھ توانائی کو بھی شامل کر لے گا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ علم کے ارتقأ کے ساتھ ساتھ کام کا اندرونی چہرہ سامنے آنے لگتا ہے، اور ہمیں سمجھ آتی ہے کہ جن کو ہم سبب مانتے ہیں اُن کے پیچھے دراصل کئی ایک اسباب پائے جاتے ہیں۔ علم کے،

فن کے، سب سے اعلیٰ درجہ پر فائز، حقائق کو مکمل دیکھنے والے پیغمبرؐ اور اُن عظیم شخصیات کے نقش قدم پر چل کر علم کے سمندر سے قطرے پانے والے علمائے اسلامؒ نے آج اُن چیزوں کو، جن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ جلانے والی ہیں یا بنانے والی ہیں، عاجز اور زوال پذیر واسطہ اور مخلوق قرار دیا ہے اور بیان کرتے ہیں کہ حقیقی بنانے والا، پیدا کرنے والا دراصل سبب نہیں، اللہ تعالیٰ ہے۔] جلانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ بلا آگ بھی جلا سکتا ہے۔ لیکن آگ سے جلانا اُس کی عادت ہے۔ اگر وہ جلانا نہ چاہے تو آگ کے اندر بھی نہیں جلاتا۔ جیسے اُس نے حضرت ابراہیمؑ کو نہ جلایا تھا۔ اُن سے محبت کی وجہ سے اُس نے اپنی عادت کو بدل دیا۔ [اسی لئے ایسے مادے بھی پیدا کردیئے ہیں جن کی وجہ سے آگ جلا نہیں پاتی۔ کیمیا گر ایسے مادوں کا علم رکھتے ہیں۔]

اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو ہر شے کو بے سبب پیدا فرما دیتا۔ بلا آگ ہی جلا دیتا۔ بغیر کھانے کے سیر کردیتا۔ بلا طیارہ ہی اُڑا دیتا۔ بغیر ریڈیو، دور دراز کی آواز سنوا دیتا۔ لیکن اُس کا یہ لطف ہوا کہ اپنے بندوں کے ساتھ بھلائی کی اور ہر شے کی تخلیق کو کسی نہ کسی سبب سے جوڑ دیا۔ اُس نے چاہا کہ خاص چیزوں کی تخلیق کو، خاص اسباب کے ساتھ پیدا کیا جائے۔ اعمال کو اسباب کے تحت پوشیدہ فرما دیا۔ اُس نے اپنی قدرت کو اسباب کے تحت چھُپا دیا۔ اگر کوئی یہ خواہش رکھتا ہے کہ وہ کوئی شے پیدا کرے، تو وہ شخص اُس شے کے اسباب کے حصول میں جُت جاتا ہے اور اُس شے کو پا لیتا ہے۔ [جیسے دیا جلانے کی خواہش رکھنے والا، ماچس کا استعمال کرتا ہے۔ زیتون کا تیل نکالنے کی خواہش رکھنے والا، دبائو کا آلہ استعمال کرتا ہے۔ سر درد سے نجات چاہنے والا ایسپرین کھاتا ہے۔ جنت کی بے انتہانعمتوں کے حصول کی چاہ رکھنے والا، اسلامیت پر

عمل کرتا ہے۔ خود پر پستول داغنے والا مر جاتا ہے۔ زہر پینے والا مر جاتا ہے۔ پسینے سے شرابور حالت میں ٹھنڈا پانی پینے والا بیمار ہو جاتا ہے۔ گناہ کا مرتکب اورایمان سے ہاتھ دھو دینے والا، جہنم پذیر ہو گا۔ کوئی شخص جس سبب کے لئے محنت کرے گا، اُس شے کو پا لے گا جس کے لئے اس سبب کو واسطہ بنایا گیا ہے۔ اسلامی کتب کو پڑھنے والا، اسلامیت سیکھتا ہے، پسند کرتا ہے اور مسلمان بن جاتا ہے۔ بے دینوں اور بے مذہبوں کے درمیان رہنے والا، اُن کی باتوں پر کان دھرنے والا، دین کا جاہل بن جائے گا۔ دین کے جہلا میں سے اکثر کافر ہوتے ہیں۔ انسان جس سواری پر سفر کرے گا اُسی کی منزلِ مقصود پر جا پہنچے گا۔]

ذاتِ حق تجلی جب کرے، ہر کام یوں آساں ہو جائے
خلق جُتے ہے سبب کے لئے، اک پل میں احساںہو جائے

اگر اللہ تعالیٰ نے کاموں کو سبب کے ساتھ پیدا نہ فرمایا ہوتا کوئی کسی کا محتاج نہ ہوتا۔ ہر کوئی، ہر شے اللہ سے مانگتا اور اس کے حصول کے لئے کوئی کام نہ کرتا۔ ایسی حالت میں، انسانوں کے درمیان آمر، مامور، مزدور، صنعت کار، طالب علم، استاد اور کئی ایسے انسانی رشتے نہ ہوتے، دنیا اور آخرت کا نظام بگڑ جاتا۔ خوبصورت و بدصورت، خیر و شر، مطیع و عاصی کے درمیان کوئی فرق نہ رہتا۔

اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنی عادت کچھ اور ہی بنا لیتا۔ ہر شے کو اپنی اُس عادت کے مطابق تخلیق فرماتا۔ مثلا اگر وہ چاہتاتو، کافروں کو، دنیا کے ذوق و صفا میں غرق لوگوں کو، لوگوں کو تکلیف دینے والوں کو، انسانوں کو دھوکہ دینے والوں کو جنت میں داخل فرما دیتا۔ صاحب ایمان، عبادت گزار، نیک لوگوں کو جہنم میں ڈال دیتا۔ لیکن آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ بتاتی ہیں کہ اُس نے ایسا نہیں چاہا۔

انسانوں کے ہر کام، اُس کی بااِرادہ و بلا ارادہ حرکات کو پیدا کرنے والی ذات وہی ہے۔ بندوں کے اختیاری یعنی بااِرادہ کی جانے والی حرکات کے لئے اور سب کاموں کو پیدا کرنے کے لئے، اُس نے اپنے بندوں میں **(اختیار)** اور **(ارادہ)** پیدا فرما دیا، اس چنائو اور خواہش کو، کاموں کی تخلیق کے لئے سبب بنا دیا۔ ایک بندہ، جب کوئی کام کرنے کو اختیار کرتا ہے، اسے چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اگر چاہے تو وہ کام تخلیق فرما دیتا ہے۔ اگر بندہ نہ چاہے اور مانگے، اللہ تعالیٰ بھی نہ چاہے تو وہ اس چیز کو پیدا نہیں فرماتا۔ وہ شے صرف بندے کی خواہش سے بھی پیدا نہیں کی جاتی۔ اُس ذات کا چاہنا بھی ضروری ہے۔ بندوں کی خواہش کا تخلیق کیا جانا ایسے ہی ہے جیسے کسی شے کا آگ کے چھونے سے جلنے کا پیدا ہونا، یا آگ کے نہ چھونے سے جلنے کا پیدا نہ ہونا ۔ چھری کے چھونے سے کٹنا تخلیق ہوتا ہے۔ کاٹنے والی چھری نہیں، وہ ذات ہے۔ اُس نے کاٹنے کے لئے چھری کو صرف ایک سبب بنا دیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ، بندوں کی اختیاری حرکات پیدا کئے جانے کا سبب، اُن کا اپنے اختیار سے حرکت کو ترجیح دینا اور چاہنا ہے۔ لیکن کائنات میں ہونے والی حرکات، بندوں کے اختیار کرنے کی وجہ سے نہیں ہیں۔ یہ سب، صرف اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے، دوسرے ہی اَسباب سے پیدا کی جاتی ہیں۔ ہر شے کی، سورجوں کی، زرّوں کی، قطروں کی، خلیوں کی، جراثیم کی، ایٹمی مادوں کی، اُن کی خصوصیات کو اور اُن کی حرکات کو پیدا کرنے والی ذات وہی ہے۔ اُس کے سوا اور کوئی خالق نہیں۔ البتہ، بے جان مادے کی حرکات اور انسان وحیوان کی اختیاری حرکات کے مابین کچھ فرق پائے جاتے ہیں، بندے اگراپنے اختیار سے کچھ کرنا چاہے، ترجیح کرے اور چاہے، پھروہ ذات بھی چاہے تو اپنے بندے کو حرکت دیتا اوروہ کام تخلیق کرتا ہے۔ بندے کا حرکت میں آنا اُس کے اپنے بس میں نہیں ہے۔ حتیٰ

اُسے یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ وہ کیسے حرکت کرتا ہے۔ [انسان کی ہر حرکت، کئی طبعی اور کیمیاوی حادثات سے حاصل ہوتی ہے۔] بے جان چیزوں کی حرکات میں **(اختیار کرنا)** نہیں پایا جاتا۔ آگ کے چھونے سے، جَلنے کے پیدا ہونے میں، آگ کی کوئی ترجیح یا چاہ نہیں پائی جاتی۔

[اپنے پیارے بندوں کی اور جن پر اُسے رحم آجائے اُن کی اچھی، مفید خواہشات کو اگر وہ ذات بھی چاہے تو پیدا کردیتا ہے۔ اُن کی بری اور نقصان دہ خواہشات کو وہ نہیں چاہتا اور اُسے پیدا نہیں کرتا۔ اُس کے ان بندوں سے ہمیشہ اچھے اور مفید کام حاصل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ، کئی ایک کام حاصل نہ ہونے کی وجہ سے افسردہ ہوتے ہیں۔ اگر وہ یہ جان سکتے، سوچ سکتے کہ یہ کام نقصان دہ ہونے کی وجہ سے پیدا نہیں کئے گئے تو کبھی افسردہ نہ ہوتے۔ اس کے برعکس وہ خوش ہوتے اوراللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اختیارکو، اختیاری کاموںکو، اُن کے قلوب کے اختیار اور ارادہ کرنے کے بعد پیدا ہونے کے متعلق اَزل ہی میں ارادہ کرلیا تھا اور چاہا تھا کہ ایسا ہو۔ اگر اُس نے ازل میں یوں نہ چاہا ہوتا، ہماری اختیاری حرکات کو بھی ہماری مرضی کے بغیر، وہ ذات جبراً پیدا فرماتا۔ ہماری خواہشات پر مبنی کاموں کا، ہماری خواہش کے بعد پیدا کیا جانا، اس لئے ہے کہ اُس نے اَزل میں یوں ہی چاہا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس ذات کا ارادہ حاکم ہوتاہے۔]

بندوں کی اختیاری حرکات، دو چیزوں سے پیدا ہوتی ہیں: پہلی، بندے کے قلبی اختیار، ارادے اور قدرت سے متعلقہ ہے۔ اس لئے، بندے کی حرکات کو **(کسب کرنا)** کہا جاتا ہے۔ کسب، انسان کی صفت ہے۔ دوسری، اللہ تعالیٰ کے تخلیق کرنے اور پیدا کرنے سے متعلقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اوامر، نواہی، ثواب اور عذاب پیدا کرنا، انسانوں

میں کَسب پائے جانے کی وجہ سے ہے۔ سورۃ (**الصّافّات**) کی ۹۶ ویں آیت کریمہ میں (**حالانکہ اللہ نے پیدا کیا ہے تم کو بھی اور ان کاموں کو بھی جو تم کرتے ہو**) ارشاد فرمایا گیا۔ یہ آیت کریمہ، انسانوں میں کسب، یعنی حرکات میں قلبی اختیار اور (**ارادۂ جزیہ**) پائے جانے اور جبر کے نہ پائے جانے کا کھلا ثبوت ہے۔ اسی لئے اسے(**انسان کا کام**) کہا جاتا ہے۔ مثلا کہا جاتا ہے کہ علی نے مارا ہے، علی نے توڑ دیا ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ، یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہر شے ایک قضا اور قدر کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔

بندے کاکام بنانے میں، پیدا کرنے میں، پہلے لازمی ہے کہ بندہ اس کام کے لئے اپنے قلبی اختیار اور ارادے کو بروئے کار لائے۔ بندہ وہ سب ارادہ کرتا ہے جو اُس کے اختیار میں ہو۔ اُس خواہش اور چاہ کو (کَسب) کہا جاتا ہے۔ آمدی مرحوم کے مطابق یہ کسب، کاموں کی تخلیق میں سبب بنتا ہے اور موثر ہوتا ہے۔ یہ کہنے میں بھی کوئی نقصان نہیں کہ کسب، اختیاری کام کی تخلیق میں موثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ، تخلیق کیا جانے والا کام اور وہ کام جو بندے نے چاہا، مختلف نہیں۔ مَطلب یہ کہ بندہ ہر وہ کام نہیں کرسکتا جو وہ چاہتا ہے۔ وہ بھی ہو سکتا ہے جوبندہ نہیں چاہتا۔ بندے کی چاہ کا ہر کام ہو اور اس کا ہران چاہا کام نہ ہو، یہ بندگی نہیں، بلکہ الوہیت کے لئے اُٹھ کھڑا ہونا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنالطف و احسان فرماتے ہوئے، رحم کرتے ہوئے اپنے بندوں کے احتیاج کی حد تک اور اوامر و نواہی پر عمل کرنے کی حد تک قوت و قدرت یعنی توانائی دی ہے۔ مثلا، صاحبِ صحت اور دولت شخص اپنی عمر میں ایک بار حج کے لئے جا سکتا ہے۔ آسمان پر رمضان کا ہلال دیکھ کر، ہر سال ایک ماہ کے روزے رکھ سکتا ہے۔ چوبیس گھنٹوں میں پانچ وقت کی فرض نماز ادا کرسکتا ہے۔ نصاب کی مقدارمیں مال اور پیسے کا مالک، ایک ہجری سال گزرنے کے بعد، چالیس میں سے ایک

حصہ کی مقدار سونا، چاندی علیحدہ کر کے مسلمانوں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان اپنی چاہ کا کام، چاہے تو کرلیتا ہے، نہ چاہے تو نہیں کر تا۔ اللہ کی بڑائی اس سے بھی سمجھی جا سکتی ہے۔ وہ لوگ جو جاہل اور احمق ہیں، قضا اور قدر کی باتیں نہ سمجھ کر، علمائے اہلِ سنت کی باتوں کو نہیں مانتے۔ بندوں کی قدرت اور اختیار ات میں شبہ کرتے ہیں۔ انسان کو اپنی چاہ کے کاموں میں عاجز اور مجبور سمجھتے ہیں۔ بعض کاموں میں بندے کو بے اختیار دیکھ کر، اہلِ سنت پر زبان درازی کرتے ہیں۔ اِن باطل الفاظ سے ثابت ہے کہ وہ خود ارادے اور اختیار کے مَالک ہیں۔

کوئی کام کرنے یا نہ کرنے کی قوت کو (**قدرت**) کہا جاتا ہے۔ کرنے یا نہ کرنے میں ترجیح اور چننے کو (**اختیار**) اورچاہنا کہا جاتا ہے۔ جس چیز پر اختیارہو اُسے کرنے کی سوچ کو (**ارادہ**) اورخواہش کرنا کہا جاتا ہے۔ ایک کام کوقبول کرنا، مخالفت نہ کرنے کو (**رضا**) اور پسند کرنا کہا جاتا ہے۔ کام میں تاثیر کی شرط کے ساتھ، ارادے اور قدرت کے اکٹھے ہونے کو (**خلق**) اور پیدا کرنا کہا جاتا ہے۔ تاثیر کے بغیر سب کے اکٹھے ہونے کو (**کسب**) کہا جاتا ہے۔ ہر صاحبِ اختیار کا خالق ہونا لازمی نہیں۔ اسی طرح، ہر اُس شے پر جس کا ارادہ کیا جائے، ضروری نہیں کہ راضی ہوا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو خالق اور مختار کہا جاتا ہے۔ بندے کو، کاسب اور مختار کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ، اپنے بندوں کی اطاعت اور گناہوں کا ارادہ کرتا ہے اور اِنہیں تخلیق کرتا ہے۔ لیکن وہ اطاعت سے راضی ہوتا ہے۔ گناہوں سے راضی نہیں اور انہیں پسند نہیں کرتا۔ ہر شے، اُس ذات کے ارادے اور خلق کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ سورۃ الانعام کی ۱۰۲ ویں آیت کریمہ میں (**یہ ہے تمہارا رب، نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے، پیدا کرنے والا ہر چیز کا**) ارشاد فرمایا گیا ہے۔

(معتزلہ) فرقہ سے متعلقہ لوگ، ارادے اور رِضا کے درمیان فرق نہ دیکھ پانے کی وجہ سے، اُلجھ کر رہ گئے۔ اُنہوں نے کہا کہ انسان اپنی خواہش کا ہر کام خود پیدا کرتا ہے۔ قضا اور قدر کا اِنکار کیا۔ (جبریہ) فرقہ بھی الجھ کر رہ گیا۔ خلق کئے بغیر اختیار ملنے کو سمجھ نہ پائے۔ یہ سوچ کر کہ انسان کو کوئی اختیار حاصل نہیں، اُسے پتھر، لکڑی جیسی چیزوں سے مماثلت دی۔ کہنے لگے کہ انسان، حُم حاشا، صاحبِ گناہ نہیں۔ سب بُرائیاں کروانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ جبریہ فرقہ کے منسوبین کے مطابِق اگر انسان میں ارادہ اور اختیار نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ برائی اورگناہ جبر سے کرواتا تو، ہاتھ پیر باندھ کر پہاڑ سے نشیب کی جانب لڑھکائے شخص اور اطراف کی مناظر سے لطف اندوز ہوکر ٹہلتے ہوئے اترنے والے شخص کی حرکات میں کسی قسم کا فرق نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ حالانکہ، پہلے شخص کا لڑھکناجبر کے ساتھ، دوسرے کا اترنا ارادے اور اختیار سے ہوا ہے۔ دونوں کے درمیان تفریق نہ کرنے والے کی نظرمیں ضرور کوئی خرابی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ آیت کریمہ کا انکار کرے گا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو فضول اور بے معنی سمجھے گا۔ معتزلہ یا قدریہ نامی فرقہ کے منسوبین کے مطابق یہ خیال کیا جانا کہ انسان اپنی چاہ کی چیز کو خود پیدا کرتا ہے، ایسے ہی ہے جیسے (**ہر شے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے**) والی آیت کریمہ کا انکار کرنااور اس کے علاوہ یہ تخلیق میں انسان کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے جانے کے مترادف ہے۔

شیعہ بھی معتزلہ کی طرح کہتے ہیں کہ انسان اپنی چاہ کی چیز کو خود پیدا کرتا ہے۔ اس کی سند کے طور پر اس گدھے کو دکھاتے ہیں جو ڈنڈوں کی مار کھانے کے باوجود پانی سے نہیں گزرتا۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ انسان اگر کوئی کام کرنا چاہے اور اللہ تعالیٰ اُس کام کو نہ چاہے تو ہو گا وہی جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ معتزلہ کے الفاظ کا باطل

ہونا سمجھ آتا ہے۔ یعنی انسان، اپنی مرضی کا ہر کام نہ کر سکتا ہے اور نہ پیدا کرسکتا ہے۔ اُن کے مطابق اگر انسان اپنی مرضی سے ہر کام کر سکتا تو اللہ تعالیٰ کا عاجز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ عجز سے منزہ ہے اور پاک ہے۔ بلاشبہ ہر کام اُس کے ارادے کے تحت ہوتا ہے۔ ہر شے کو پیدا کرنے والی، وجود میں لانے والی ذات صرف وہی ہے۔ الوہیت اسی کا نام ہے۔ انسان کے لئے، (اُس نے تخلیق کیا، ہم نے تخلیق کیا، اُنہوں نے تخلیق کیا) جیسے الفاظ کہنا، لکھنا نہایت قبیح فعل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بے اَدبی ہے اور کُفر کا سبب ہے۔

[بندوں کی اختیاری حرکات کئی طبعی، کیمیاوی اورفعلیاتی حادثات سے پیداہوتی ہیں،جو اُن کے اپنے ارادے سے نہیں ہوتیں اور اُنہیں اِن کے متعلق کوئی خبر تک نہیں ہوتی۔ اس باریکی کو سمجھنے والا ایک سائنسدان اگر اِنصاف کی بات کرے تو اپنی اختیاری حرکات کے متعلق (میں نے تخلیق کیا) کہنے کو چھوڑیئے وہ تو (میں نے کیا) کہنے میں بھی عار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ سے شرم وحیامحسوس کرے گا۔ جبکہ نَاقصِ علم، سوچ اور ادب کا مالک کوئی شخص، ہر بات کوہر جگہ کہنے سے قطعا باز نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ، دنیا میں سب انسانوں پر رحم کرتا ہے۔ اُن چیزوں کو تخلیق فرماکر اُنہیں بھیجتا ہے جن کے وہ محتاج ہیں۔ دنیا میں راحت اور حضورکے ساتھ زندگی گزارنے اور آخرت میں ابدی سعادت پانے کے لئے، جس چیز کو کرنا لازم ہے پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے۔ اپنے نفس، برے دوستوں، نقصان دہ کتابوں اورمیڈیاسے فریب کھا کر کفر اور ضلالت کے راستے پر جا نکلنے والوں میں سے، وہ جسے چاہے ہدایت نصیب فرما دیتا ہے۔ اُنہیں سیدھے راستے پر لے آتا ہے۔ وہ، بے رحم اور ظالموں کو یہ نعمت احسان نہیں کرتا۔ اُنہیں اُن کی پسند، خواہشات کی اُس دُلدُل

میں چھوڑ دیتا ہے جس میں وہ دَھنس چکے ہیں۔]

(اعتقادنامہ) کتاب کا ترجمہ مکمل ہوا تھا۔ یہ ترجمہ کرنے والے حاجی فیض اللہ افندی کا تعلق اَرزِنْجان شہر کے کماخ نامی قصبہ سے ہے۔ عرصہ دراز سوقہ شہر میں مدرس کا وظیفہ سرانجام دیا، ۱۳۲۳ھ [۱۹۰۵ء] میں وفات پائی۔ کتاب کے موٗلف، مولانا خالد بغدادی عثمانی قُدِّسَ سِرُّہٗ، ۱۱۹۲ھ میں بغداد کے شمال میں واقع شہرزور میں پیدا ہوئے، ۱۲۴۲ھ [۱۸۲٦ء] میں دمشق میں وفات پائی۔ آپؒ کا سلسلہ حضرت عثمانؓ ذوالنورین سے ملنے کی وجہ سے آپؒ کو عثمانی کہا جاتا ہے۔ اِیک دن آپؒ اپنے بھائی حضرت مولانا محمود صاحبؒ کو امام نوویؒ کی کتاب (حدیثِ اربعین) میں سے دُوسری حدیث یعنی (حدیث جبرائیلؑ) پڑھارہے تھے۔ آپؒ کے چھوٹے بھائی مولانا محمود صاحبؒ نے آپؒ سے درخواست کی کہ وہ اس حدیث شریف کو وضاحت کے ساتھ تحریر فرما دیں۔ حضرت مولانا خالد بغدادیؒ نے اَپنے بھائی کے نورانی قلب کو خوش کرنے کے لئے، یہ خواہش پوری کردی، اس حدیث شریف کی شرح فارسی زبان میں کردی۔

جاگ اے عاقل، آنکھیں کھول، پھرکر التجا سوہنے خدا سے!
رستے سے اُس کے نہ ہو دور کبھی، پھرکر التجا سوہنے خدا سے!

کر ادا روز نماز پنجگانہ اوررکھ روزے ماہِ رمضان میں !
زیادہ ہو مال تو دے زکوٰۃ بھی، پھر کر التجا سوہنے خدا سے!

دن آئے گا نہ دیکھ پائے گی آنکھ، کان بھی کچھ سن نہ پائے گا!
یہ موقع نہ ہاتھ آئے گا سوچ کر، پھر کر التجا سوہنے خدا سے!

آج صحت اپنی کو غنیمت جان کر، ہر ساعت کو نعمت کر شمار!
اطاعت کر اُس کے احکام کی، پھر کر التجا سوہنے خدا سے!

بِتا نہ عمر عزیز بے مقصد و بے سود، نفس ہر گز نہ ہو بے قابو!
وقت ہے غفلت نہ کر جاگ، پھر کر التجا سوہنے خدا سے!

نا امید نہ ہو رحمت سے ہر گز، گر بہتات ہے گناہوں کی!
عفو و کرم بے انتہا ہے اُس کا، پھر کر التجا سوہنے خدا سے!

وقتِ سحر ہے، برس رہی ہے رحمت خدا ہر جا و ہر مقام!
تب پاک ہوتے ہیں قلوب، پھر کر التجا سوہنے خدا سے!

کر شاد و آباد اپنا قلب و روح، وردِ نام باری سے
اور مثلِ بلبل فریاد کر لے، پھر کر التجا سوہنے خدا سے!

سلفیہ

ہم آپ کو فوراً مطلع کردیں کہ، علمائے اہلِ سنت رَحمَۃ اللّٰہِ عَلَیھِم اَجمَعِین کی کتابوں میں، (سلفیہ) جیسا نام اور (**مذہب سلفیہ**) جیسا کوئی لفظ تحریر نہیں۔ یہ الفاظ بے مذہبوں کی طرف سے بعد میں گھڑے گئے اور جاہل علمأ نے بے مذہبوں کی کتابوں کو عربی سے ترکی میں ترجمہ کرتے ہوئے اِنہیں ترکوں میں پھیلانا شروع کردیا۔ اِن کے مطابق: (اشعری اور ماتریدی مذاہب بننے سے پہلے سب سُنی سلفیہ نامی مذہب کی اتباع کرتے تھے۔ وہ اصحابِ کرامؓ کے نقشِ قدم کے تابع تھے۔ مذہبِ سلفیہ اصحابِ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کا مذہب ہے۔ چار بڑے ائمہ کرامؒ اسی مذہب سے منسوب تھے۔ سلفیہ مذہب کے مدافعہ کے لئے لکھی جانے والی پہلی کتاب (**فقہ اکبر**) کے نام سے امام اعظم کی جانب سے لکھی گئی۔ امام غزالی نے اپنی(**الجام العوام عن علم الکلام**) نامی کتاب میں سلفیہ مذہب کے سات بنیادی نکات بیان کئے ہیں۔ امام غزالی کے ظہور سے متاخرین میں علمِ کلام شروع ہو گیا۔ امام غزالی نے اُن سے پہلے علمائے علم کلام کے مسالک اور اسلام کے فلاسفہ کی فکر ی تحقیق کرنے کے بعد علمِ کلام کے طریقہ کار میں تبدیلی پیدا کی۔ فلسفی فکروں کو، رد کی نیت سے کلام میں داخل کردیا۔ رازی اور عامدی نے، کلام اور فلسفہ کا آمیزہ بنا کر اسے ایک علم کی شکل دے دی۔ جبکہ بیداوی نے کلام اور فلسفہ کو علم واحد کامقام دیا جو ناقابلِ تقسیم تھا۔ متاخرین کا علم کلام، سلفیہ مذہب کے پھیلائو میں مانع ہوا۔ ابن تیمیہ اور اُن کے شاگرد ابن القیم الجوزیہ نے مذہب سلفیہ کو احیأ کرنا چاہا۔ سلفیہ مذہب بعد ازاں دو میں تقسیم ہو گئے ہیں: پرانے سلفی؛ جو اللہ کی صفات اور تشابہہ نصوص کے متعلق کسی تفصیل میں نہیں پڑے۔ بعد

کے سلفیوں نے، ان کے متعلق تفصیل کی جہت کو اہمیت دی۔ ابن تیمیہ اور ابن القیم الجوزیہ جیسے بعد کے سلفیوں میں یہ حال بڑا واضح نظر آتا ہے۔ پرانے اور نئے سلفیوں کو ایک ساتھ (**اہلِ سنت خاصّہ**) کہا جاتا ہے۔ اہلِ سنت کے علمائے کلام نے بعض نصوص کی تاویل کی بھی ہے تو، سلفیہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ سلفیہ، اللہ کے چہرے، اُس کے آنے کو یہ کہہ کر فرقۂ مشبہیہ سے الگ ہو گئے ہیں کہ وہ، انسانوں کے چہرے اور اُن کے آنے جیسا نہیں ہے)۔

یہ کہنا ہرگز درست نہیں ہوگا کہ (**اشعری**) اور (**ماتریدی**) مذاہب بعد میں بنے۔ یہ دونوں ائمہ عظامؒ نے سلف صالحین کے بتائے ہوئے اعتقاد اور ایمان کی معلومات کی وضاحت فرمائی ہے، انہیں قسموں میں تقسیم کردیا ہے اور نوجوانوں کی قابل فہم شکل میں پھیلایا ہے۔ امام اشعریؒ، امام شافعیؒ کے طلباؒ کی زنجیر میں پائے جاتے ہیں۔ امام ماتریدیؒ، امام اعظم ابو حنیفہؒ کے طلباؒ کی زنجیر کا ایک اہم حلقہ ہیں۔ اشعری اور ماتریدی، اپنے اساتذہ کے مذاہب سے جو اعتقاد کی رُو سے مشترک ہیں، قطعی طور پر باہر نہیں نکلے، نہ ہی کوئی نیا مذہب تشکیل دیا۔ اِن دونوں کا اور ائمہ چہار مذاہب کا ایک ہی اعتقاد ہے۔ اور وہ (**اہلِ سنت والجماعت**) کے نام سے مشہور اعتقادی مذہب ہے۔ اس فرقہ کے منسوبین کا اعتقاد، ایمان وہی ہے جو اصحابِ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کا رہا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کی کتاب (فقہ اکبر)، اہلِ سنت مذہب کا مدافعہ کرتی ہے۔ اس کتاب میں اور امام غزالیؒ کی کتاب (**الجام العوام عن علم الکلام**) میں سلفیہ کا لفظ تک نہیں۔ یہ دونوں کتابیں اور (فقہ اکبر) کتاب کی شروح میں سے (**قول الفصل**) نام کی کتاب، فرقۂ اہلِ سنت کی وضاحت کرتی ہے، بدعتی فرقوں اور فلاسفہ کو جواب دیتی

ہے۔ قول الفصل اور الجام العوام نامی کتب کو حقیقت کتاب گھر نے شائع کیا ہے۔

امام غزالی اپنی کتاب (**الجام العوام**) میں یوں وضاحت فرماتے ہیں: (اس کتاب میں اعتقادی فِرقوں میں سے سلف مذہب کے سچے ہونے کو بیان کروں گا۔ ثابت کروں گا کہ اس مذہب سے علیحدہ ہونے والے اہل بدعت ہیں۔ سلف مذہب سے مراد اصحابِ کرامؓ اور تابعینؒ کے اعتقادات ہیں۔ اس مذہب کے سات بنیادی نکات ہیں)۔ واضح ہے کہ الجام العوام، سلف مذہب کے سات بنیادی نکات بیان کرتی ہے۔ انہیں سلفیہ کے سات بنیادی نکات کہنا، کتاب کی تحریر کو بدلنا ہے اور امام غزالیؒ کی ذات پر افترا ٔ کرنا ہے۔

اہلِ سنت کی سب کتب میں، مثلا فقہ کی گراں قدر کتاب (**دُرّ المختار**) میں شہادت کی فصل میں، سلف اور حلف کہنے کے بعد یوں تحریر کیا گیا ہے: (سلف، اصحابِ کرامؓ اور تابعینؒ کا نام ہے)۔ انہیں سلف صالحین بھی کہا جاتا ہے۔ سلف صالحین کے بعد آنے والے علمائے اہلِ سنت کو حلف کا نام دیا گیا ہے۔ امام غزالیؒ، امام رازیؒ اور علمائے تفسیر کے سرتاج امام بیداویؒ سب ہمیشہ سلف صالحین کے مذہب پر ہی تھے۔ اِن کے زمانے میں پیدا ہونے والے بدعتی فرقوں نے علمِ کلام میں فلسفہ کو ملا کر رکھ دیا۔ حتیٰ اپنے ایمان کی بنیاد کو فلسفہ پر استوار کرلیا۔ (**الملل والنحل**) نامی کتاب میں اِن گمراہ فرقوں کے عقائد کے بارے میں بڑی وضاحت کی گئی ہے۔ اِن تین ائمہ نے، اِن گمراہ فرقوں کے خلاف اہلِ سنت کے عقائد کا مدافعہ کرتے ہوئے، اور اُن کی گمراہ کن افکار کو جھٹلاتے ہوئے، اُن کے فلسفوں پر وضاحتی جوابات بھی دیئے۔ ان کے جوابات، اہلِ سنت مذہب میں فلسفہ کی آمیزش ہرگز نہیں ہے۔ برعکس اس کے یہ توعلمِ کلام کو، اس میں ملائی گئی فلسفی افکار سے پاک کرنا ہے۔ بیداوی میں اور اُن کی شروح میں سے

سب سے بہتر (**شیخ زادہ**) کی تفسیر میں کوئی فلسفی فکر، کوئی فلسفی طریقہ کار نہیں پایا جاتا۔ اِن علمائے عظامؒ کو یہ کہنا کہ فلسفہ کی راہ پر گامزن تھے، بڑی ہی قبیح افتراٰ ہے۔ علمائے اہلِ سنت پر یہ افتراٰ سب سے پہلے ابن تیمیہ نے اپنی کتاب(**واسطہ**) میں تحریر کی۔ اور رہی بات یہ کہ ابن تیمیہ اور اُس کے شاگرد ابن القیم الجوزیہ نے سلفیہ مذہب کی احیاٗ کے لئے کام کیا، تو یہ دراصل راہِ حق پر گامزن اوراُن لوگوں کے درمیان ایک اہم امتیازی نقطہ ہے جو بھٹک کر راہِ باطل کی جانب چل پڑے۔ ان دو اشخاص سے پہلے سلفیہ مذہب، حتیٰ سلفیہ لفظ تک کا نام و نشان نہ پایا جاتاتھاکہ جس کی احیاٗ کے لئے کہا جاسکے کہ اِن حضرات نے کوئی کوشش کی۔ اِن دونوں حضرات سے پہلے یگانہ و واحد سچا اعتقاد وہ تھا جو سلف صالحین کا مذہب تھا اور جسے(**اہلِ سنت والجماعت**) کا نام دیا گیا تھا۔ ابن تیمیہ نے اس حق مذہب کو خراب کیا اور کئی ایک بدعات کو رائج کردیا۔

آج کے بے مذہبوں، دین میں جدت پسندی کے قائل حضرات، اُن کی کتابوں، تقریروں اور باطل افکار کا سرچشمہ ابن تیمیہ کی یہی بدعات ہیں۔ اِنہوں نے خود کو سچی راہ پر گامزن ثابت کرنے کے لئے اور نوجوانوں کو یقین دلانے کے لئے بڑا خوفناک حیلہ اپنایا۔ ابن تیمیہ کی بدعات اور باطل افکار کو سچا دکھاکر، نوجوانوں کو اُس کی راہ پر کھینچنے کے لئے، سلفِ صالحین کو سلفیہ کا نام دے دیا۔ سلف صالحین کے اکابر علمائے دین پر فلسفہ اور بدعت کے داغ لگائے۔ الزام لگایا کہ وہ سب اس نام نہاد سلفیہ مذہب سے نکل گئے ہیں۔ ابن تیمیہ کو ایک ہیرو اور مجتہد دکھاتے ہوئے یہ باور کرایا کہ اُس نے سلفیہ کو پھر سے احیاٗ کیا ہے۔ حالانکہ، سلفِ صالحین کے اکابر علمائے اہلِ سنت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡھِمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ہمارے زمانے تک حتیٰ آج تک اپنی تحریر کردہ کتابوں میں سلفِ صالحین کے مذہب (**اہلِ سنت**) کے اعتقادات کا مدافعہ کیا ہے اور اپنی تحریروں

میں ابن تیمیہ، شوکانی اوراِن جیسے دیگر حضرات کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ سلفِ صالحین کی راہ سے بھٹک چکے ہیں اور مسلمانوں کو فلاکت اور جہنم کی راہ پر ڈال رہے ہیں۔ (**التوسل بالنبی وبالصالحین**)، (**علماء المسلمین وجہلۃ الوھابیین**)، (**شفاء السقام**) اور اس کا مقدمہ (**تطہیر الفؤاد من دنس الاعتقاد**) نامی کتب کو پڑھنے والے خوب سمجھتے ہیں کہ نام نہادسلفیہ عقائد کو نکالنے والے یہ لوگ، دراصل مسلمانوں کو فلاکت کی جانب دھکیل رہے ہیں اور دین اسلام کی جڑوں کواندر سے کھوکھلا کرنے کے درپے ہیں۔

آج کل، بعض حضرات کی زبان سے (**سلفیہ**) کا نام سننے کو ملتا ہے۔ ہر مسلمان کو یہ جان لینا چاہیئے کہ اسلامیت میں (**سلفیہ مذہب**) نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ اسلام میں صرف (**سلفِ صالحین**) کا مذہب پایا جاتا ہے۔ سلفِ صالحین پہلی دو صدیوں میں پائے جانے وہ مسلمان ہیں جن کی حدیثِ شریف میں مدح و تعریف فرمائی گئی ہے۔ تیسری اور چوتھی صدی کے علمائے اسلام کو (**سلفِ صالحین**) کہا جاتا ہے۔ اِن عظیم انسانوں کے اعتقاد کا نام (اہلِ سنت والجماعت) ہے۔ یہ مذہب ایمان اور اعتقاد کا مذہب ہے۔ سلفِ صالحین یعنی اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظامین کے ایمان سب ایک جیسے ہی تھے۔ اُن کے اعتقادات میں ذرہ برابر بھی فرق نہ تھا۔ آج دنیا میں پائے جانے والے مسلمانوں کی اکثریت اہلِ سنت ہے۔ سارے کے سارے بہتّر گمراہ فرقہ جات دوسری صدی کے بعد پیدا ہوئے۔ اِن میں سے بعض فرقوں کے بانی پہلے گزر چکنے کے باوجود، اِن کی کتابیں کی اشاعت اور گروہ کی شکل میں اِن کا ظہور اور اہلِ سنت کے خلاف مخالفت پر اترنا، یہ سب تابعینِ عظامؒ کے زمانے کے بعد پیش آیا۔

اہلِ سنت کے اعتقاد کو پیش کرنے والے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم تھے۔ اصحابِ کرامؓ کی ایمان کی تعلیمات کا سرچشمہ یہی ہے۔ تابعین عظامؒ نے یہ تعلیمات اصحابِ کرامؓ

سے حاصل کیں۔ بعد میں آنے والوں نے یہ تعلیمات اُن سے حاصل کیں۔ اس طرح اہلِ سنت کی تعلیمات ہم تک بواسطہ تواتر منتقل ہوتی آئیں۔ یہ تعلیمات عقل سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ نہ ہی عقل اِن میں تغیر لا سکتی ہے۔ عقل انہیں سمجھنے میں مددگار ہو سکتی ہے۔ یعنی انہیں سمجھنا، اِن کی صحت اور قیمت کا اندازہ کرنے کے لئے عقل کا ہونا لازمی ہے۔

سارے علمائے حدیث، اہلِ سنت کے اعتقاد پر تھے۔ اعمال کے چار مذاہب کے آئمہؒ بھی اسی مذہب سے تھے۔ اعتقاد کے رو سے ہمارے دو ائمہ ماتریدیؒ اور اشعریؒ بھی اہلِ سنت مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ اِن دونوں ائمہ نے بس اس مذہب کی اشاعت کی۔ گمراہوں کے مقابل اور قدیم یونانی فلسفہ کی دلدل میں دھنسے مادیت پسندوں کے خلاف اسی ایک مذہب کا مدافعہ کیا۔ یہ دونوں ائمہ عظامؒ ہم عصر تھے۔ اور اُن کے مقیم شہر ایک دوسرے سے دور ہونے کی بنا پر اور مختلف سوچ اور کردار کے لوگوں سے ٹکر ہونے کی وجہ سے، دونوں کا طریقۂ مدافعہ مختلف تھا۔ لیکن اُن کے درمیان کے اس فرق کے باوجود ہم یہ نہیں دیکھتے کہ دونوں مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ اِن کے بعد آنے والے لاکھوں علمائے عظامؒ اور اولیأ کرامؒ نے اِن دو ائمہ کی کتب کا مطالعہ کیا اور سب اس بات پر متفق ہیں کہ دونوں ہی اہلِ سنت مذہب سے منسلک تھے۔ علمائے اہلِ سنت نے وضاحتی طور پر بیان کردہ (**نصوص**) کے ظاہری معنیٰ کو قبول کیا ہے۔ یعنی ایسی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کو وضاحتی معنٰی دیئے، بلاضرورت ایسی نصوص کی نہ تاویل کی، نہ ہی اِن کے معنٰی تبدیل کئے۔ ذاتی معلومات اور افکار سے کسی قسم کا تغیر پیدا نہ کیا۔ جبکہ گمراہ فرقوں سے منسلک اور بے مذہب حضرات نے، یونانی فلاسفہ اور سائنس کی تقلید کرنے والے دشمنانِ دین سے سنی سنائی

باتوں پر عمل کرتے ہوئے ایمان کی تعلیمات اور عبادات میں تبدیلی کرنے سے قطعا گریز نہ کیا۔ مشنریز کی صدیوں سے جاری کاوشوں، برطانوی سلطنت کے قبیح سیاسی ہتھکنڈوں اور ہر طرح کی مادی قوتوں کے استعمال سے دین اسلام کی پہرہ دار، علمائے اہلِ سنت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن کی خدمتگار دولتِ عثمانیہ کے ٹوٹتے ہی، بے مذہبوں نے میدان خالی پایا۔ خصوصا ایسے ممالک کہ جہاں علمائے اہلِ سنت سے بات کرنے کا حق تک چھین لیا گیا، مثلا سعودی عرب میں شیطانی جھوٹ اور حیلوں سے اہلِ سنت پر حملے کئے اور اسلامیت کو اندر سے کھوکھلا کرنا شروع کر دیا۔ سعودی عرب کی جانب سے برسائی جانے والی بے شمار اشرفیوں سے یہ حملے دنیا کے ہر کونے میں پھیل گئے۔ پاکستان سے، ہندوستان سے اور افریقی قوموں سے موصول ہوئی خبروں کے مطابق، دینی تعلیم سے بعید اور اللہ کے خوف سے محروم بعض دینی علمأ کو اِن حملوں میں تعاون کے طور پر اُونچے مناصب اور بڑی بڑی عمارتیں نوازی گئی ہیں۔ خاص طور پر نوجوانوں کو فریب دے کر، اہلِ سنت کے مذہب سے دور کرنے لئے اپنائے گئے حربے، اس خبیث سرمائے میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں۔ ہم نے، مدرسوں کے طلبأ اور مسلمانوں کے بچوں کو فریب دینے کی نیت سے لکھی گئی ایک کتاب منگوائی:

کتاب میں ایک جگہ یوں لکھا گیا ہے: (میں نے یہ کتاب اس لئے لکھی ہے کہ مذہبی تعصب ختم کردیا جائے اور ہر کوئی اپنے مذہب میں بغیر جھگڑے کے زندگی گزارسکے)۔ اس شخص کے مطابق مذہبی تعصب ختم کرنے سے، اہلِ سنت پر حملے ہوتے اور علمائے اہلِ سنت کی تحقیر ہوتے ہوئے دیکھنا مراد ہے۔ دینِ اسلام کی پشت میں خنجر گھونپتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب مسلمانوں کے لئے ہے تاکہ وہ بلاجھگڑا زندگی گزارسکیں۔ کتاب میں ایک جگہ کہتا ہے کہ (عقلمند انسان، اپنی عقل کے استعمال

سے صحیح کام کرے تو، دس گنا اجر حاصل کرتا ہے ۔ اگر خطا کرے تو ایک گنا اجر حاصل کرتا ہے)۔ اس کے مطابق ہر انسان، یعنی چاہے وہ عیسائی یا مشرک ہی کیوں نہ ہو، اپنی ہر سوچ پر اجر حاصل کرنے کا حقدار ہوگا۔ اور وہ بھی صحیح سوچ والے کو دس گنا ! غور کریں کہ وہ، رسول اللہ ﷺ کی حدیث شریف کو کیسے بدل رہے ہیں؟ اور کیسے کیسے حیلے کرتے ہیں؟ حدیث شریف میں (**ایک مجتہد، کسی آیت کریمہ سے اور حدیث شریف سے [عمل سے متعلقہ] کوئی حکم دیتے ہوئے صحیح فیصلہ کرے تو اُسے دس ثواب دیئے جاتے ہیں۔ خطا کرے تو ایک ثواب دیا جاتا ہے**) ارشاد فرمایا گیا ہے۔ حدیث شریف میں یہ ثواب ہر سوچنے والے کے لئے نہیں، اجتہاد کے عظیم درجے پر فائزعالم اسلام کو دیئے جانے کے متعلق فرمایا گیا ہے، وہ بھی اُس کی اُس کاوش پر دیئے جانے کی طرف اشارہ ہے جو وہ نصوص سے[عمل سے متعلقہ] احکام اخذ کرنے میں کرے، اُس کی ہر سوچ پر نہیں۔ کیونکہ اُس کی یہ کاوش عبادت ہے۔ ہر عبادت کے ثواب کی طرح، یہاں بھی ثواب حاصل ہوتا ہے۔

سلفِ صالحین کے زمانہ میں اور اُن کے خلف علمائے مجتہدین کے زمانے میں، یعنی چوتھی صدی کے اختتام تک، زندگی کی شرائط میں تبدیلیوں کی وجہ سے، نئے نئے حادثات کے وقوع پذیر ہونے کی وجہ سے مجتہد علمائے نے دن رات کی محنت سے اِن مسائل کے حل کو (**اَدِلہ شریعہ**) نام کی چار کتابوں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا، سب مسلمانوں نے اِن کو بخوشی قبول کرکے عمل درآمد کیا، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مسائل کا حل اُن کے اپنے مذاہب کے ائمہ کی جانب سے پیش گیا ہے۔ اور کرنے والے یا ایک یا دس ثواب حاصل کرتے تھے۔ چوتھی صدی کے بعد بھی انہی مجتہدین کے اقوال کی پیروی کی گئی۔ اس عرصہ دراز میں کسی مسلمان نے خود کو، کسی بھی معاملے میں بے

بس و لاچار نہیں پایا۔ بعد میں مجتہدین کے ساتویں درجے میں کوئی عالم، کوئی مفتی پیدا نہ ہو سکنے کی وجہ سے، اب ہمیں چاہیئے کہ چار مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کے علماٗ کی کتابیں پڑھ کر، سمجھنے والے کسی مسلمان سے اور ترجمہ کی گئی کتابوں سے سیکھ کر اپنی عبادات کو درست کریں اور اپنی زندگی اِن کے مطابق گزاریں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ہر شے کے متعلق حکم دیا ہے۔ اُس کے عظیم الشان پیغمبر محمد ﷺ نے اِن احکامات کی وضاحت فرمائی۔ علمائے اہلِ سنت نے اِن احکامات کو اصحابِ کرامؓ سے سیکھ کر اِن پر کتابیں تحریر فرمائیں۔ اب یہ کتابیں دنیا کے ہر کونے میں پائی جاتی ہیں۔ دنیا میں ہر جگہ، تاقیامت وقوع پذیر ہونے والی کسی بھی شے کے بارے میں دیا جانے والا حکم اِن کتب میں دی گئی معلومات کو بنیاد بنا کر حاصل کیا جا سکے گا۔ اس چیز کا ممکن ہونا، قرآنِ کریم کا معجزہ اور علمائے اسلام کی کرامت ہے۔ لیکن اہم یہ ہے کہ، در پیش مشکل کے حل کو کسی ایسے حقیقی مسلمان سے پوچھ کر سمجھا جائے جو اہلِ سنت ہو۔ بے مذہب عالم دین سے پوچھا جائے تو ایساجواب دے گا جس کا فقہ کی کتب سے کوئی تعلق نہ ہو گا اور مسلمانوں کو گمراہی کی جانب لے جائے گا۔

عرب ممالک میں چند سال گزارکر، عربی بات چیت سیکھ کر، وہاں عیش و عشرت کی زندگی گزار کر، اپنی عمر گناہوں میں خراب کرکے، پھر کسی بے مذہب سے، کسی اہلِ سنت کے دشمن سے مہر لگے کاغذ لئے پاکستان اور ہندوستان لوٹنے والے بے مذہب جاہل، نوجوانوں کو کیسے بہکاتے ہیں، اس کی وضاحت صریحا ہم نے اوپر بیان کردی ہے۔ اِن کی جعلی اسناد دیکھ کر اور ان کی عربی گفتگو سن کر نوجوان اُنہیں عالمِ دین تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ فقہ کی کسی کتاب تک کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کتابوں میں پائی جانے والی فقہی معلومات کے بارے میں انہیں کوئی خبر نہیں۔ ویسے بھی وہ

اسلام کی معلومات پر یقین نہیں رکھتے اور انہیں رجعت پسندی کہتے ہیں۔ قدیم زمانے کے علمأ سے جب کوئی سوال کیا جاتا تو وہ فقہ کی کتابوں سے تحقیق کرنے کے بعد، سوال کرنے والے کو جواب دیتے ۔ جبکہ بے مذہب علمائے دین فقہ کی کتابوں سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے، اپنے جاہل دماغ اور ناقص عقل کے بل بوتے پر سوال کا جواب وضع کرکے پوچھنے والے کو بہکادیتے ہیں۔ اُس کے لئے جہنم کا راستہ استوار کرتے ہیں۔ اسی لئے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (**علمأ میں سے بہترین، انسانوں میں بھی بہترین انسان ہے۔ علمأ میں سے بدترین، انسانوں میں بھی بدترین انسان ہے**) ۔ اس حدیث شریف سے پتا چلتا ہے کہ علمائے اہلِ سنت انسانوں میں بہترین انسان ہیں۔ بے مذہب علمأ بدترین انسان ہیں۔ کیونکہ پہلے والوں نے انسانوں کو اتباع رسول اللہ ﷺ کا راستہ دکھایا جبکہ دوسروں نے انسانوں کو اپنی گمراہ افکار پر عمل کرنے کا یعنی جہنم کا راستہ دکھایا۔

مصر کی جامعہ الازہر سے تعلیم یافتہ استاد ابن خلیفہ علوی اپنی کتاب (**عقیدۃُ السّلَف وَالْخَلَف**) میں بیان کرتے ہیں (جیسا کہ علامہ ابو زہرہ نے اپنی کتاب (**تاریخ المذاہبِ الاسلامیہ**) میں تحریر فرمایا، چوتھی صدی ہجری میں، حنبلی مذہب سے علیحدہ ہونے والے بعض لوگوں نے خود کو (**سلفیّین**) کانام دیا۔ حنبلی مذہب سے منسلک ابوالفرج ابن الجوزی ؒ اور دیگر علمأ کے قول کے مطابق؛ یہ سلفیّن، سلف صالحین کے راستے پر چلنے والوں میں سے نہ تھے، وہ اہلِ بدعت میں سے تھے اور اِن کا تعلق مُجسّمَہ فرقے سے تھا۔ علمائے عظام رَحْمَۃ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن کی اس وضاحت نے اس فتنے کو پنپنے سے روک دیا۔ ساتویں صدی ہجری میں ابن تیمیہ نے اس فتنے کو پھر سے ہوا دی)۔ اس کتاب میں سلفیّن اور وہابیوں کی مختلف بدعات اور اہلِ سنت کے خلاف اِن

کی افترائیں صراحتا بیان کرتے ہوئے اِن کے جوابات دیئے ہیں۔ یہ کتاب ۱۳۹۸ھ [۱۹۷۸ء] میں دمشق میں شائع کی گئی۔ کتاب تین سو چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔

بے مذہبوں نے اپنے لئے (سلفیہ) نام تجویز کرلیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ سلفیوں کا بڑا امام ہے۔ اُن کے یہ الفاظ ایک لحاظ سے درست بھی ہیں۔ کیونکہ ابن تیمیہ سے پہلے (سلفی) نام کا کوئی وجود نہ تھا۔ سلفِ صالحین پائے جاتے تھے اور اِن کا اعتقاد، مذہبِ اہلِ سنت تھا۔ ابن تیمیہ کی گمراہ کن افکار، وہابیوں اور دیگر بے مذہبوں کے لئے الہام کا سرچشمہ بن گئیں۔ ابن تیمیہ حنبلی مذہب کے تحت پروان چڑھا۔ یعنی اہلِ سنت تھا۔ لیکن علم کے حصول کے ساتھ جب وہ فتویٰ کے مقام تک پہنچا تو اپنی افکار کو ترجیح دینے اورخود کو علمائے اہلِ سنت رَحْمَۃَ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن سے زیادہ افضل سمجھنے لگا۔ اس کے علم میں اضافہ، ضلالت اور گمراہی کا سبب بن گیا۔ اب اُس کا حنبلی ہونا بھی ساقط ہو گیا۔ کیونکہ چار مذاہب میں سے کسی ایک سے منسلک ہونے کے لئے، اہلِ سنت اعتقاد کا مالک ہونا ضروری ہے۔ کسی ایسے شخص کے لئے جو اہلِ سنت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ حنبلی مذہب سے منسلک ہے۔

بے مذہبوں کو جب بھی موقع ملتا ہے اپنے ممالک میں موجود علمائے اہلِ سنت رَحْمَۃَ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن کی برائیاں کرتے ہیں ۔ اِن کی کتابوں کا مطالعہ کرنے اوراہلِ سنت کی معلومات کے حصول میں رُکاوٹ بننے کے لئے ہر قسم کی حیلہ بازی سے کام لیتے ہیں۔ مثلا، ایک بے مذہب نے ایک محترم ذات کا نام لے کر کہا کہ (ایک ماہر دوا ساز اور کیمیاگر بھلا دین کی کیا سمجھ رکھے؟ وہ اپنے فن سے کام رکھے۔ ہمارے کام میں دخل اندازی مت کرے)۔ ذرا ان کی جاہل سوچ اور احمقانہ بات پر غور تو کریں!اِن کے بقول ایک سائنسدان کو دین کا علم نہیں ہوسکتا۔ اُنہیں معلوم ہی نہیں

کہ ایک سائنسدان ہر پل صنعتِ الٰہیہ کا تماشا کرتا ہے۔ وہ مصنوعات کی کتاب میں سجائے گئے اللہ تعالیٰ کے کمالات کو سمجھتا ہے، اُس کی لامتناہی قدرت کے سامنے مخلوقات کی عاجزی کو دیکھ کر اُس ذاتِ باری تعالیٰ کی تسبیح و ثنا کرتا ہے۔ ایٹمی علوم کا جرمن سائنسدان Max Planck نے اپنی کتاب (Der Storm) میں یہ بات نہایت خوبی سے بیان کی ہے۔ جبکہ یہ بے مذہب جہلأ، بیرون ملک میں اپنے جیسے ایک گمراہ سے حاصل کردہ سند اور اس کی پشت پناہی کرنے والی انجمن پر اعتماد کرتے ہوئے، یا شاید بیرونِ ملک تقسیم کئے جانے والی مال و دولت کے خواب میں مست ہوکر یہ سوچتے ہیں کہ دینی معلومات کا انحصار اُن پر ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ بیچارے کی اور ہم سب کی اصلاح فرمائے! اور ایسے سندیافتہ دینی چوروں کے ہتھکنڈوں میں پھنسے صاف و سادہ نوجوانوں کو آزاد کرائے! آمین۔ ہاں، اُس ذات نے ایک دوا ساز اور اعلیٰ کیمیا گر کے طور پر اپنی ملت کی تیس سال سے زیادہ خدمت کی ۔ لیکن سات سالہ دینی تحصیل اور دن رات کی محنت کے بعد اسلام کے بڑے علمأ سے اجازت کا شرف حاصل کیا، اُس نے اپنے فنی اور دینی علم کی عظمت تلے پِس کر، اپنے عجز کو خوب سمجھ لیا ۔ اسی سوچ کے تحت وہ اس کوشش میں رہا کہ اللہ کا بندہ ہونے کا پورا حق ادا کرسکے۔ اُسے سب سے بڑا اندیشہ اور ڈر یہ رہا کہ کہیں وہ اپنی ڈگریوں اور اجازت کی چمک میں کھو کر، اِن کاموں میں خود کو صاحبِ اختیار نہ سمجھ بیٹھے۔ اس خوف کی کثرت، اُس کی ہر بات میں جھلکتی نظر آتی رہی۔ اُس نے اپنے ذاتی نظریات اور ذاتی افکار کو کبھی قلم بند کرنے کی جسارت نہیں کی، ہمیشہ علمائے اہلِ سنت کی اور گراں قدر تحریریں عربی اور فارسی سے ترجمہ کرکے اپنے نوجوان بھائیوں کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس خوف کی کثرت نے اُسے کتاب لکھنے سے باز رکھا۔ (**الصواعق المحرقہ**) کے پہلے صفحہ میں تحریر

کردہ (**فتنوں کے زمانے میں، حقیقت کو جاننے والا، دوسروں کو خبر دے! اگر وہ خبر نہ دے تو اُس پراللہ کی اور سب انسانوں لعنت ہو!**) حدیث شریف دیکھ کر، اُس نے سوچنا شروع کردیا۔ ایک طرف، علمائے اہلِ سنت کی دینی معلومات اور اُن کے زمانے میں علوم فنون کی سمجھ اور عقلی ذہانت کے ساتھ عبادات اور تقویٰ میں اُن کی بڑائی دیکھ کر، اُسے اپنے چھوٹے پن کا احساس ہوا، علم کے دریااِن علمائے عظام کے سامنے اپنے علم کو ایک قطرے کی مانند پایا۔ دوسری طرف، علمائے اہلِ سنت کی کتابیں پڑھ کر اُنہیں سمجھنے والے صالح لوگوں کی تعداد میں کمی ہوتا دیکھ کر اور اس کے برعکس جاہل، گمراہ لوگوں کو علمائے دین میں شامل ہوکر، ناقص اور گمراہ کن کتابیں لکھتے دیکھ کر اُسے نہایت دکھ ہوا۔ حدیث شریف میں ارشاد کی گئی لعنت کی وعیدسے وہ دہشت میں گر گیا۔ اپنے جوانمرد بھائیوں کے لئے شفقت اور مرحمت کے احساس نے اُسے مزید خدمت پر زوردیا اورعلمائے اہلِ سنت کی کتب سے چیدہ چیدہ اقتباسات ترجمہ کرنے پر مجبور کردیا۔ ان گنت مبارکباد اور تشکرانہ مکتوبات کے ساتھ ساتھ کبھی کبھار بے مذہبوں کی سرزنش اور افتراؤں کا بھی نشانہ بننا پڑا۔ اپنے ربّ اور اپنے ضمیر کے سامنے اپنے اخلاص اور صداقت کے متعلق اُسے کوئی شبہ نہ تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ پر توّکل کرکے اور رسول اللہ ﷺ اورصالح بندوں کی ارواح کے توّسل کے ساتھ اُس نے اپنی خدمات کو جاری رکھا۔ اللہ تعالیٰ، ہم سب کو اپنی رضا کی راہ پر قائم رکھے! آمین۔

مصر کی جامعۃ الازہر کے مدرس اورایک عظیم حنفی عالم شیخ محمد بخیت المطیعی اپنی کتاب (**تطہیر الفؤاد من دنس الاعتقاد**) میں کہتے ہیں کہ، انسانوں میں سب سے افضل اور بہترین ارواح پیغمبر وں عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کی ہیں۔ وہ کسی خطا، بھول، غفلت،

خیانت، تعصب، عناد اور نفس کی پیروی، ذاتی غرض اور کینہ پروری سے پاک اور معصوم ہیں۔ پیغمبر عَلَیْہِمُ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلاَم اللہ تعالیٰ کی جانب سے بتائی گئی باتیں بتاتے اور اُن کی وضاحت فرماتے ہیں۔ اُن کی جانب سے دی گئی دینی تعلیمات، اوامر اور نواہی سب سچ ہے۔ اِن میں سے کوئی بھی باطل یا ناقص نہیں ہے۔ پیغمبروں صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالیٰ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنْ کے بعد انسانوں میں سب سے افضل اور بہترین پیغمبروںؑ کے اصحابِ کرامؓ ہیں۔ کیونکہ اُنہوں نے پیغمبروںؑ کی صحبت سے فیض و تربیت پائی اور اُن کا تزکیہ نفس ہوا۔ اُنہوں نے ہمیشہ وہی کہا اور اُسی کی وضاحت فرمائی جو اُنہوں نے اپنے پیغمبروںؑ سے سنا۔ اُن کی بتائی ہر بات بالکل سچ ہے۔ وہ بھی مندرجہ بالا برائیوں سے محفوظ ہیں۔ اُنہوں نے تعصب اور عناد کی بنا پر ہرگز ایک دوسرے کی مخالفت نہ کی اور نہ ہی وہ اپنے نفس کے بہکاوے میں آئے۔ اُن کا آیاتِ کریمہ اور احادیثِ شریفہ کی وضاحت کرنا، اللہ تعالیٰ کے دین کو اُس کے بندوں کو سمجھانے کے لئے اُن کا اجتہاد کرنا، اللہ تعالیٰ کا اس امت پر بڑا احسان ہے اور رسول اللہ ﷺ پر ذاتِ باری تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے۔ قرآنِ کریم میں صراحتا بیان کردیا گیا ہے کہ اصحابِ کرامؓ کافروں کے مقابل نہایت سخت ہونے کے باوجود آپس میں نہایت مرحمت اور محبت کے مالک ہیں، وہ اپنی نمازیں باقاعدگی سے ادا کرتے اور اللہ سے ضرورت کی ہر شے اور جنت کی طلب رکھتے ہیں۔ جن کے اجتہادی مسائل پر اجماع ہوا وہ سب درست ہیں۔ اُن سب کو ثواب حاصل ہوا۔ کیونکہ حق بات ایک ہی ہے۔

اصحابِ کرامؓ کے بعد انسانوں میں سب سے افضل وہ مسلمان ہیں جنہوں نے اصحابِ کرامؓ کو دیکھااور اُن کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ اِنہیں **(تابعین)** کہا جاتا ہے۔ اِنہوں نے اپنی تعلیم اصحابِ کرامؓ سے حاصل کی۔ تابعین کے بعد انسانوں میں

سب سے افضل وہ مسلمان ہیں جنہوں نے تابعین کو دیکھا اور اُن کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ اِنہیں (**تبع تابعین**) کہا جاتا ہے۔ اِن کے بعد کی صدیوں میں قیامت تک آنے والے انسانوں میں وہ مسلمان افضل اور بہترین ہیں جو اِن کی اتباع کرتے، ان کی بتائی باتوں کو سمجھ کر عمل کرکے اِن کی راہ پر چلتے ہیں۔ سلفِ صالحین کے بعد آنے والے علمائے دین میں سے جو اپنی باتوں اور اعمال میں رسول اللہ ﷺ اور سلفِ صالحین کی پیروی کرتے رہے، اعتقاد و اعمال میں اِن کے راستے پر قائم رہے، اسلامیت کی حدود کا تجاوز نہ کیا، ایسے ذکی و عقلمند انسان دوسروں کی تنقید سے کبھی نہ ڈرے۔ اُن کی اتباع کرتے ہوئے سیدھے رستے سے کبھی دور نہ ہوئے۔ اُنہوں نے جاہلوں کی باتوں پر کبھی عمل نہ کیا۔ اپنی عقل کے چکر میں آکر، ائمہ مجتہدین کے چار مذاہب سے باہر قدم نہ رکھا۔ مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ ایسے عالم کو ڈھونڈیں، جن باتوں کا علم نہیں اُن کی بابت اُس سے علم حاصل کریں اور سب کام اُس کے بتائے طریقوں سے سرانجام دیں۔ کیونکہ ایسا عالم، اللہ تعالیٰ کے بندوں کو خطا سے محفوظ رکھنے اور ہر کام درست کرنے لئے، معنوی ادویات یعنی روحانی معالجہ کے بارے میں معلومات رکھتا ہے اور انسانوں کو اِن کے متعلق تعلیمات دیتا ہے۔ روحانی بیماروں اور ادراک سے عاری انسانوں کا علاج کرتا ہے۔ ایسے عالم کی ہر بات، ہر عمل اور ہر عقیدہ اسلامیت کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ ہر چیز کو صحیح سمجھتا ہے۔ ہر سوال کا صحیح جواب فراہم کرتا ہے۔ اُس کے ہر کام سے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کی رضا پانے کی خواہش کرنے والوں کو اپنی رضا کا راستہ دکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ، ایمان لانے والوں اور ایمان کی شرائط کو پورا کرنے والوں کو ظلمت اور تنگی سے نجات دیتا ہے۔ اُنہیں نور، حضور اور سعادت نصیب فرماتا ہے۔ اور اِن لوگوں کو ہر وقت، ہر کام میں راحت

اور حضور میسر آتا ہے۔ یہ لوگ روزِ قیامت پیغمبروں، صدیقین، شہدا اور صالحین کے ساتھ جگہ پائیں گے۔

کوئی عالم دین چاہے وہ کسی بھی صدی میں کیوں نہ پایا جائے اگر پیغمبر ﷺ اور اصحابِ کرامؓ کی تعلیمات پر عمل نہ کرے، اپنی باتوں، اعمال اور اعتقادات کے لحاظ سے اُن سے تضاد برتے اور اپنے نفس، اپنی افکار کو بروئے کار لاکر اسلامیت کی حدود سے باہر نکل آئے اوراپنی عقل کے بل بوتے پر اسلامیت کی باریکیوں کی مخالفت کرے، سمجھ نہ آنے والے مسائل میں چار مذاہب کی حدود کو پار کرجائے تو ایسے شخص کو براعالم دین کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُس کے قلب پر مہر لگا دیتا ہے۔ اُس کی آنکھیں حق کا رستہ نہیں دیکھ پاتیں۔ اُس کے کان حق بات سننے سے قاصر ہو جاتے ہیں۔ روزِقیامت ایک شدید عذاب اُس کا منتظر ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے پسند نہیں کرتا۔ اُس جیسے لوگ دشمنانِ پیغمبرؐ ہیں۔ یہ لوگ خود کو سیدھے راستے پر گامزن سمجھتے ہیں۔ اپنے اعمال پر پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ، شیطان کی راہ پر چل رہے ہوتے ہیں۔ اِن میں سے کم ہی ہیں جو اپنی عقل کو لگام دے کر واپسی کا رُخ کرتے ہیں۔ اُن کی ہر بات شیرین ہوتی ہے۔ چمکدار نظر آتی ہے۔ فائدہ سے بھرپور دکھائی دیتی ہے۔ حالانکہ، اُن کی سوچیں اور اُن کے پسندیدہ کام سب برے ہوتے ہیں۔ احمقوں کو بہکا کر غلط اور فلاکت کی راہ پر لا ڈالتے ہیں۔ اُن کی باتیں برف کی مانند سفید اور بے داغ دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن حقیقت کے سورج کی تاب نہ لاکر پگل جاتی ہیں۔ وہ علمائے دین جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تاریک اور مہربند کر دیا ہے اُنہیں (**اہل بدعت**)، یعنی بے مذہب عالم دین کہا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعتقادات اور اعمال، قرآن و حدیث اور اجماعِ اُمت سے مطابقت نہیں رکھتے۔ یہ لوگ خود بھی سیدھے رستے سے

نکل چکے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اسی فلاکت کی جانب لے جانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ اِن کی پیروی کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔ سلف صالحین کے زمانے میں اور اُن کے بعد آنے والے علمائے دین کے بیچ بھی ایسے کئی گمراہ لوگ موجود تھے۔ مسلمانوں کے بیچ ایسے لوگوں کا پایا جانا، انسان کے کسی عضو کا گنگرین (یا کینسر) ہو جانے کی مترادف ہے۔ اس زخم کو ختم کئے بغیر دیگر صحت منداعضأ کو بھی خطرے سے نہیں بچایا جاسکتا۔ یہ لوگ، اُن مریضوں کی مثل ہیں جووبائی مرض کے جراثیم لئے پھرتے ہیں۔ اِن کے قریب جانے والا نقصان اُٹھاتا ہے۔ اِن نقصانات سے بچنے کے لئے لازم ہے کہ اِن کے قریب نہ جایا جائے۔

بہت زیادہ نقصان دینے والے غلط اور گمراہ علمائے دین میں سے ایک، ابن تیمیہ نامی عالم دین ہے۔ وہ اپنی (**الواسطہ**) اور دیگر کتب میں، (**اجماع المسلمین**) سے علیحدہ ہوگیا، قرآنِ کریم اور احادیث شریفہ میں وضاحتاً بیان کردہ چیزوں اور سلفِ صالحین کی پیروی نہ کی۔ اپنی ناقص عقل اورباطل افکار کو اپناکر بدعت کا راستہ اختیار کیا۔ اُس کاعلم بے انتہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے علم کو، اُس کی ضلالت اور فلاکت کا سبب بنا دیا۔ وہ اپنے نفس کی آرزوں کا پیروکار بن گیا۔ اُس نے اپنی باطل اور گمراہ کن افکار کو سچی اور صحیح تعلیمات کے طور پر پھیلانے کی کوشش کی۔ عظیم عالم ابن حجر مکی رَحْمَۃ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیہِ نے اپنی کتاب (**فتاوی الحدیثیہ**) میں فرماتے ہیں:(اللہ تعالیٰ نے ابن تیمیہ کو ضلالت اور فلاکت میں ڈال دیا ہے۔ اُس کی آنکھوں کو اندھا، کانوں کو بہرہ بنا دیا ہے۔ متعدد علمأ کے مطابق اس کے کام باطل اور اس کی باتیں جھوٹ پر مبنی تھیںاور اُنہوں نے اس بارے میں دستاویزی ثبوت بھی پیش کئے ہیں ۔ عظیم عالم اسلام ابو الحسن السبقین کے صاحبزادے جناب تاج الدین سبقین اور امام العز بن جماع کی کتابوں کو

اور اُن کے ہم عصر شافعی، مالکی اور حنبلی علمأ کے اُن بیانات کو جو اُنہوں نے اِس شخص کی تقاریر و تحاریر کے مقابلے میں دیئے ہیں، پڑھنے والے ضرور سمجھیں گے کہ ہماری بات صحیح ہے)۔

ابن تیمیہ نے علمائے تصوف پر بھی زبان درازی کی اور افترائیں لگائیں۔ صرف یہیں تک نہیں، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ جیسے دین اسلام کے بنیادی ستونوں پر ضربیں لگانے سے بھی باز نہ آیا۔ اُس کے الفاظ نے ادب کی حدود سے نکل کر کڑیل چٹانوں پر بھی تیر برسائے۔ سیدھے راستے پر گامزن علمأ کو اہل بدعت، گمراہ اور جاہل کہا۔ اُس کے بقول(اکابرین تصوف کی کتابوں میں یونانی فلاسفہ کی افکار کی آمیزش ہوگئی ہے جس کااسلامیت سے کوئی تعلق نہیں ہے) ۔ اپنے اس قول کواپنی باطل اور گمراہ کن افکار کی روشنی میں ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حقیقت سے لاعلم نوجوان، اُس کی گرماگرم اور چمکدار تحریروں سے بہک کر سیدھے راستے سے بھٹک سکتے ہیں۔ مثلاً، (اہل تصوف کہتے ہیں کہ وہ (**لوحِ محفوظ**) کو دیکھتے ہیں۔ ابن سینا جیسے فلاسفہ اسے (**نفس الفلکیّہ**) کہتے ہیں۔ جاگنے یا سونے کی حالت میں، انسانوں کی روحیں پختگی پاکر نفس الفلکیّہ سے یا (**عقل الفعال**) کے ساتھ مل جاتی ہیں۔ اِن کے بقول، دنیا میں ہونے والی ہر شے کا سبب یہی دونوں ہیں۔ انسانی روح اِن دونوں سے مل کر، اِن دونوں میں پائی جانے والی معلومات کے متعلق خبر حاصل کرتی ہے۔ اِن کے بارے میں کسی یونانی فلسفی نے کچھ نہیں کہا۔ بعد میں آنے والے ابن سینا اور اُس جیسے دیگر لوگوں نے کہا ہے۔ امام ابو حمید غزالی، محیُّ الدِّین ابن الاعرابی اور اندلسی فلسفی قطب الدین محمد ابن صعب نے بھی ایسی ہی باتیں کہی ہیں۔ یہ فلاسفہ کی باتیں ہیں۔ دین اسلام میں ایسی چیزیں نہیں پائی جاتیں۔ ایسی باتوں سے وہ سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔ وہ بھی شیعہ،

اسمٰعیلیہ، کرامتہ اور باطنی ملحدین کی طرح ملحد ہو گئے ہیں۔ اہلِ سنت اور علمائے حدیث کے اور فضیل بن عیاض جیسے اہلِ سنت متصوفین کے سچے راستے سے دور ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ ایک طرف توفلسفہ میں غرق ہو گئے، دوسری جانب انہوں نے معتزلہ اور کرامتیوں جیسے فرقوں سے مجادلہ کیا۔

اہل تصوف کو تین میں تقسیم کیا جاتا ہے: پہلے وہ ہیں جو حدیث و سنت کے اہل ہیں۔ دوسرے کرامتیوں جیسے اہل بدعت سے منسلک ہیں۔ تیسری قسم **(اخوان الصفا)** نامی کتاب اور ابو الحیان کی باتوں پر عمل کرتے ہیں۔ ابن الاعرابی، ابن صعب اور ان جیسے لوگوں نے فلسفیوں کے اقوال لے کر اُنہیں تصوف کے رنگ میں ڈھال دیا۔ ابن سینا کی کتاب **(آخر الاشارات علی مقام العارفین)** میں ایسے کئی اقوال مل جائیں گے۔ امام غزالیؒ نے بھی اپنی بعض کتابوں میں مثلاً **(الکتاب المضنون به علی غیر أهله)** اور **(مشکاۃ الأنوار)** میں ایسی چیزیں بیان کی ہیں۔ حتیٰ اُن کے دوست ابو بکر ابن الاعرابی کے بقول وہ فلسفہ میں ڈوب چکے ہیں اور بچانے کی کوشش کے باوجود وہ انہیں نہ بچا سکے۔ ایک طرف توامام غزالیؒ کے مطابق فلاسفہ کفر پرہیں۔ عمر کے آخری دور میں **(بخاری)** کو پڑھا۔ بہت لوگوں نے آپ کے بارے میں کہا کہ آپ ایسی تحریروں سے باز آگئے۔ بعض لوگوں کے مطابق ایسی باتیں امام غزالی پر افتراٗ کے طور لکھی گئی ہیں۔ اس بارے میں امامؒ کے لئے مختلف بیانات پائے جاتے ہیں۔ جزیرہ سقلیہ میں تعلیم یافتہ مالکی علمأ میں سے محمد مازری، علمائے اندلس میں سے طرطوشی، ابن الجوزی، ابن العقائل اور دیگر حضرات نے بہت کچھ کہا ہے)۔

ابن تیمیہ کے مندرجہ بالا الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ علمائے اہلِ سنت کے خلاف کیسی سوچ رکھتا تھا۔ وہ تو اکابر اصحابِ کرامؓ تک کو یونہی برا بھلا کہتا ہے۔ علمائے

اہلِ سنت کی اکثریت پر وہ گمراہی کا ٹھپہ لگا چکا ہے۔ علاوہ ازیں عظیم ولی اللہ قطب العارفین حضرت ابو الحسن شاذلیؒ پر اُن کی (**حزب الکبیر**) اور (**حزب البحر**) نامی کتابوں کی وجہ سے برا بھلا کہا، محیُّ الدِّین اعرابیؒ، عمر ابن الفریدؒ، ابن صعبؒ اور حلاج حسین بن منصورؒ جیسے عظیم متصوفین کے لئے برے کلمات استعمال کئے اور اُن کی رسوائی کی۔ اس بنا پر اُس کے ہم عصر علمأ نے متفقہ طور پر، اُسے فاسق اور اہل بدعت قرار دیا۔ چند ایک نے اُس کے کفر کا فتویٰ تک دے دیا۔ [عظیم عالم اسلام عبدالغنی نابلسیؒ اپنی کتاب (**الحدیقۃ الندیہ**) کے ۳۶۳ اور ۳۷۳ ویں صفحے پر تصوف کی ان عظیم شخصیات کے نام تحریر کرکے کہا کہ یہ سب اولیأ اللہ ہیں اور اِن پر زبان درازی کرنے والا جاہل اور غافل ہے]۔ ۷۰۵ھ [۱۳۰۵ء] میں ابن تیمیہ کو لکھے گئے ایک مکتوب میں یوں کہا گیا: (خود کو بڑا عالم اور امام زمانہ سمجھنے والے، اے میرے دینی بھائی! میں تمہیں اللہ کی رضا کے لئے پسند کرتا تھا۔ تمہارے مخالف علمأ کو پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن، اس محبت کے برعکس تمہاری کچھ ایسی باتیں سنیں کہ میں ششدر رہ گیا۔ سورج ڈوبنے کے بعد رات کی شروعات پر بھلا کوئی صاحب عقل شبہہ کرسکتاہے؟تم نے کہا تھا کہ تم، (**امر بالمعروف**) اور (**نہی عن المنکر**) کی راہ پر ہو۔ تمہارا اصل مقصد اور اصل نیت تو اللہ ہی

جانتا ہے۔ لیکن، انسان کا اخلاص اُس کے اعمال سے ظاہر ہوتا ہے۔ تمہارے اعمال، تمہارے الفاظ کے پردے کو چیرہ چیرہ کئے دیتے ہیں۔ نفس کے غلام، باطل الفاظ کے مالک انسانوں کی باتوں میں آکر، صرف اپنے ہم عصروں پر تنقید پر قناعت کرنے کی بجائے تم نے مرے لوگوں پر بھی کفر کی مہر لگا دی۔ تم نے سلف صالحین کے بعد آنے والوں پر حملوں کو کافی نہیں سمجھا، اصحابِ کرامؓ اوراُن کے اکابرین پر

زبان درازی تک جاپہنچے۔ روز قیامت جب یہ اکابرین تم سے اپنا حق طلب کریں گے تو اُس وقت تمہاری حالت کیا ہوگی، کیا تم نے کبھی سوچا ؟تم نے کہا کہ صالحیہ شہر میں، جامع الجبل کے منبر پر حضرت عمرؓ کی باتیں باطل اور بددعاؤں سے بھرپور تھیں۔ کیا تھیں یہ بددعائیں؟ تم نے سلف صالحین سے کونسی بددعائیں سنیں ہیں ۔ اور تم کہتے ہو کہ حضرت علیؓ تین سو سے زائد غلطیوں کے مرتکب ہوئے۔ اگر حضرت علیؓ ایسے ہیں تو، کیاتمہاری کوئی بات صحیح ہو سکتی ہے؟ میں اب تمہارے خلاف حرکت کروں گا۔ مسلمانوں کو تمہارے شر سے بچانے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ تمہاری خودسری حد سے تجاوز کرگئی ہے۔ تمہاری پہنچائی اذیت کے اثرات سب زندوں اور مردوں تک جا پہنچے ہیں۔ مومنین کے لئے لازم ہے کہ تمہارے شر سے محفوظ رہیں۔) جن مسائل میں ابن تیمیہ نے سلف صالحین سے تضاد دکھایا، انہیں تاج الدین السبقی نے یوں بیان کیا ہے :

اُس کے بقول؛

۱۔ طلاق واقع نہیں ہوتی۔ قسم کا کفارہ دینا لازمی ہے۔ اس سے پہلے آنے والے علمأ میں سے کسی نے کفارہ دینے کے متعلق نہیں کہا۔

۲۔ حیض کی حالت میں عورت کو دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

۳۔ عمداً، قصداً ترک کی گئی نماز کی قضا ادا کرنا لازمی نہیں۔

۴۔ حیض کی حالت میں عورت کے لئے کعبہ کا طواف کرنا مباح ہے۔ اس کا کفارہ نہیں دے گی۔

۵۔ تین طلاق دینے سے، ایک طلاق ہوتی ہے۔ حالانکہ، اُس کے اس بیان سے پہلے سالہا سال سے مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

۶۔ غیر اسلامی خراج اُس کے لئے حلال ہیں جو اِنہیں طلب کرے۔
۷۔ انہیں تاجروں سے لیا جائے تو بلا نیت بھی زکوٰۃ کی جگہ شمار ہوں گے۔
۸۔ پانی میں چوہا یا اس جیسا جانور مرجائے تو پانی نجس نہیں ہو گا۔
۹۔ جنابت ہوئے شخص کے لئے، رات غسل کئے بغیر نفلی نماز ادا کرنا جائز ہے۔
۱۰۔ کسی واقف کی شرط پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔
۱۱۔ اجماع امت کے برخلاف کوئی شخص، کافر نہیں ہو گا، فاسق نہیں ہو گا۔
۱۲۔ اللہ تعالیٰ کی ذات محل حوادث ہے اور زرّات پر مشتمل ہے۔
۱۳۔ قرآنِ کریم، اللہ تعالیٰ کی ذات میں پیدا کیا گیا ہے۔
۱۴۔ عالم یعنی ہر مخلوق، نوع کے اعتبار سے قدیم ہے۔
۱۵۔ اللہ، اچھی چیزیں پیدا کرنے پر مجبور ہے۔
۱۶۔ اللہ تعالیٰ کا جسم اور جہت پایا جاتا ہے اور وہ جگہ تبدیل کرتا ہے۔
۱۷۔ جہنم ابدی نہیں ہے، نہایت بجھ جائے گی۔
۱۸۔ پیغمبر معصوم نہیں ہوتے۔
۱۹۔ رسول اللہ ﷺ اور دیگر انسانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اُس کی وساطت سے دعا مانگنا جائز نہیں ۔
۲۰۔ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی نیت سے شہر مدینہ جانا گناہ ہے۔
۲۱۔ شفاعت کی تمنا سے جانا بھی حرام ہے۔
۲۲۔ تورات و انجیل کے کلمات نہیں، اُن کے معنی بدلے ہیں۔

بعض علمأ کے بقول مندرجہ بالا میں سے زیادہ تر ابن تیمیہ کے الفاظ نہیں ہیں۔ لیکن، اللہ تعالیٰ کی جہت ہے اور وہ زرّات کی آمیزش پر مبنی ہے، اُس کے الفاظ ہونے

پر سب کا اتفاق ہے۔ علاوہ ازیں سب متفقہ طور پر اُس کے علم، جلال اور دینی علوم میں بڑائی کے بھی قائل ہیں۔ فقہ، علم، عدل و انصاف کے مالک کسی شخص کے لئے لازمی ہے کہ وہ کسی چیز کا موازنہ کرے، پھر اس کے متعلق نہایت احتیاط سے فیصلہ کرے۔ خصوصاً کسی مسلمان پر کفر، ارتداد، ضلالت اور قتل کا حکم دیتے ہوئے بڑی تفتیش اور احتیاط کرنا ضروری ہے۔ ابن حجر مکیؒ کی کتاب (**الفتاوی الحدیثیہ**) سے اقتباس یہاں ختم ہوتا ہے۔

ہمارے زمانے میں، ابن تیمیہ کی تقلید کا رواج ہو گیاہے۔ اس کی باطل تحریروں کا دفاع کرتے ہیں اور اُس کی کتابیں بالخصوص (**واسطہ**) نامی کتاب کی نشرواشاعت کرتے ہیں۔ یہ کتاب شروع سے آخر تک اُس کی اُن افکار سے بھری پڑی ہے جو قرآن کریم، احادیث شریفہ اور اجماع المسلمین سے تضاد رکھتی ہیں۔ پڑھنے والوں میں فتنہ و فساد پیدا کرتی ہے، بھائی کو بھائی کا دشمن بناتی ہے۔ ہندوستان میں پائے جانے والے وہابی اور اِن کے فریب میں آئے دیگر مسلمان ممالک میں پائے جانے والے جاہل علمائے دین نے، ابن تیمیہ کو اپنے لئے ایک عَلَم کا مقام دے رکھا ہے، اُسے (**عظیم مجتہد**)، (**شیخ الاسلام**) جیسے خطابات دیتے ہیں۔ اُس کی گمراہ کن افکار، باطل تحریروں کو دین و ایمان کہہ کر اپناتے ہیں۔ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے، اسلامیت کو اندر سے کھوکھلا کرنے والے اس خطرناک بہاؤ کو روکنے کے لئے اُن گراں قیمت کتابوں کو پڑھنا چاہیئے جو علمائے اہلِ سنت نے دستاویزات کے ثبوت کے ساتھ اُن کے رد میں لکھی ہیں۔ اِن گراں قیمت کتابوں میں، عظیم امام و عالم تقی الدّین السبقیؒ کی کتاب (**شفاء السقام فی زیارۃِ خیر الانام**)، ابن تیمیہ کی باطل افکار کو ردّ کرتی ہے اور اُس کے مچائے فسادات کو ختم کرتی ہے۔ بدنیتوں، باطل عقائد کے پھیلائو کو روکتی ہے۔

ہمارے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ (**اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ شخص وہ ہے جو دین کا علم حاصل کرے پھر اوروں کو سکھائے۔ اپنے دین کو علمائے اسلام سے سیکھیئے!**) جو حقیقی عالم نہ پاسکے، اُسے چاہیئے کہ علمائے اہلِ سنت کی کتابوں سے سیکھے اور اِن کتابوں کی نشرو اشاعت کی کوشش کرے۔ علم، عمل اور اخلاص کے مالک مسلمان کو (عالم دین) کہا جاتا ہے۔ اِن تین میں سے ایک میں بھی کم ہو اور خود کو عالم کہنے والے شخص کو (بُرا عالم دین) کہا جائے گا۔ ایک عالم دین، انسانوں پر سعادت کے دوار کھلنے کا سبب بنتا ہے، وہ دین کا محافظ ہوتا ہے۔ برا عالم دین، انسانوں کو فلاکت کے راستے پر چل نکلنے کا سبب بنتا ہے، وہ شیطان کا مددگار ہوتا ہے۔

بے فائدہ ہے وہ علم جو اخلاص کے ساتھ عمل کے لئے نہ سیکھا جائے۔

دُعَاءُ التَّوْحِيدِ

يَا اَللهُ يَا اَللهُ لاَ اِلَهَ اِلاَّ اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ يَا رَحْمَنُ يَا رَحِيمُ يَا عَفُوُّ يَا كَرِيمُ فَاعْفُ عَنِي وَارْحَمْنِي يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَاَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ اَللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلآبَائِي وَأُمَّهَاتِي وَلآبَاءِ وَأُمَّهَاتِ زَوْجَتِي وَلأَجْدَادِي وَجَدَّاتِي وَلأَبْنَائِي وَبَنَاتِي وَلإِخْوَتِي وَأَخَوَاتِي وَلأَعْمَامِي وَعَمَّاتِي وَلأَخْوَالِي وَخَالاَتِي وَلأُسْتَاذِي عَبْدِ اْلحَكِيمِ اْلآرْوَاسِي وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اَلاَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالاَمْوَاتِ «رَحْمَةُ اللهِ تَعَالَى عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ» بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ وَاْلحَمْدُ للهِ رَبِّ اْلعَالَمِينَ

دُعَاءُ اْلاِسْتِغْفَارِ

اَسْتَغْفِرُ اللهَ الْعَظِيمَ الَّذِي لاَ اِلَهَ إِلاَّ هُوَ اْلحَيَّ الْقَيُّومَ وأَتُوبُ إِلَيْهِ

إن ناشر كتب - **دار الحقيقة للنشر والطباعة** - هو المرحوم حسين حلمي ايشيق عليه الرحمة والرضوان المتولد عام ١٣٢٩ هـ [١٩١١ م] بمنطقة -**أيوب سلطان إستانبول**- وأعداد الكتب التي نشرها ثلاث وستون مصنفا من العربية وأربع وعشرون مصنفا من الفارسية وثلاث مصنفات أوردية وأربع عشرة من التركية ومقدار الكتب التي أمر بترجمتها من هذه الكتب إلى لغات فرنسية وألمانية وإنجليزية وروسية وإلى لغات أخر بلغت مائة وتسعة وأربعين كتابا وجميع هذه الكتب طبعت في -**دار الحقيقة للنشر والطباعة**- وكان المرحوم عالما طاهرا تقيا صالحا وتابعا لمشيئة الله وقد تتلمذ للعلاّمة الحبر البحر الفهامة الولي الكامل المكمل ذي المعارف والخوارق والكرامات عالي النسب السيد عبد الحكيم الاروواسي عليه رحمة الباري وأخذ منه وظهر كعالم إسلامي فاضل وكامل مكمل وقد لبى نداء ربه المتعال وتوفي ليلة ٢٥ على ٢٠٠١/١٠/٢٦ (الثامن على التاسع من شهر شعبان المعظم سنة إثنتين وعشرين وأربعمائة وألف من الهجرة النبوية) ودفن في محل ولادته بمقبرة أيوب سلطان تغمده الله برحمته الواسعة واسكنه فسيح جناته آمين

اسماء الكتب العربية التي نشرها مكتبة الحقيقة

اسماء الكتب	عدد صفحاتها

اسماء الكتب	عدد صفحاتها

اسماء الكتب الفارسية التي نشرها مكتبة الحقيقة

الكتب العربية مع الاردوية والفارسية مع الاردوية والاردية